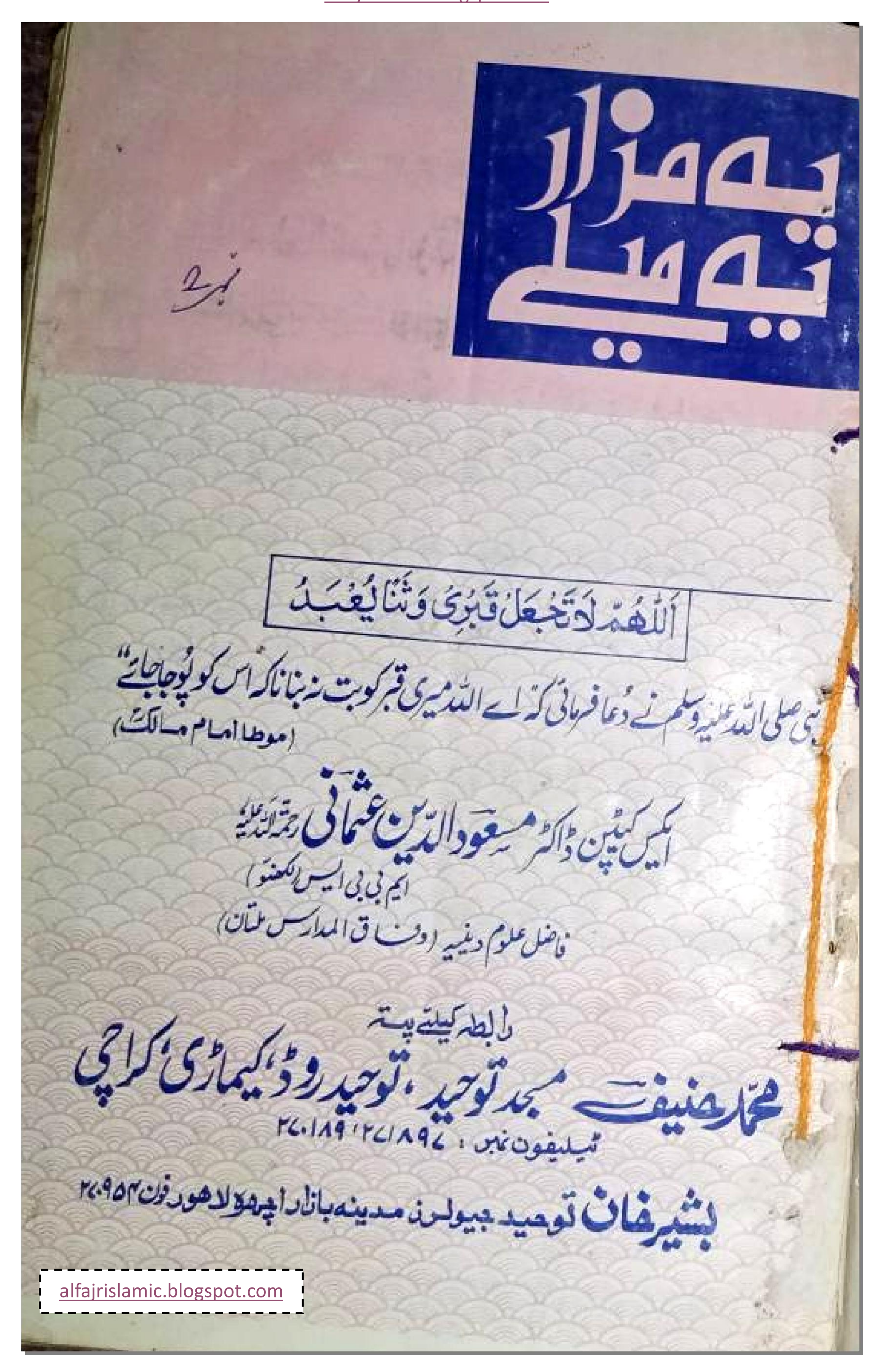


یہ مزار
یہ میلے
اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ "اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کو پوجا جائے"
(موطا امام مالکؒ)
ایکس کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
ایم بی بی ایس (لکھنؤ)
فاضل علوم دینیہ (وفاق المدارس ملتان)
رابطہ کیلئے پتہ
محمد حنیف مسجد توحید، توحید روڈ، کیماڑی، کراچی
ٹیلیفون نمبر: ۲۷۱۸۹۷، ۲۷۰۱۸۹
بشیر خان توحید جیولرز مدینہ بازار اچھرہ لاہور فون ۲۷۰۹۵۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ ۲۳، ۲۴)

اے اہلِ ایمان ! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں تو تم ان کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھیں گے وہی ظالم ہونگے۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم کماتے ہو اور تمہاری وہ تجارات جس کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے مکانات جو تمہیں پسند ہیں تم کو اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

امابعد۔ لوگو! کیا یہ جھکی ہوئی گردنیں یوں ہی جھکی رہیں گی؟ اور یہ ماتھے یوں ہی ٹھکرائے جائینگے۔ ان منہوؤں پر اسی طرح تھوکا جائیگا۔ یہ بستیاں یوں ہی اُجڑیں گی۔ نونہال اسی طرح چھیدے جاتے رہیں گے۔ یہ آبرؤیں ہی پامال اور خراب و خستہ رہے گی۔ سر چھپانے کو ایک آسرا نہ ملیگا۔ اور کیا تم دُنیا اور آخرت دونوں کا سکون کھو دوگے؟ ہوشمندو! تم جس مالک پر ایمان لائے ہو اس کا فرمانا تو یہ ہے کہ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران: آیت ۱۳۹) تم ہی غالب ہوگے۔ سرفرازی اور کامرانی تمھارا حق ہے بشرطیکہ تم مومن بن جاؤ۔ اگر اس فرمانِ خداوندی کو حق مانتے ہو تو یہ بھی مانو کہ اب تم اس ایمان کے حامل نہیں رہے، جس ایمان سے دُنیا اور آخرت کی سربلندی اور تاجداری کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ثبوت درکار ہو تو ایک طرف مسجدوں میں جھانک کر دیکھو اور دوسری طرف قبروں اور آستانوں پر عقیدت مندوں کے ہجوم کا مشاہدہ کرو۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجائیگی کہ عقیدت مندی کے ساتھ ساتھ دُکان داری نے ایمان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ کیا کیا گُل کھلائے ہیں۔ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی قیمت وصول کی جارہی ہے اور من و سلویٰ سمجھ کر کھائی جارہی ہے۔ وہاں مجاورت اور قلندری ہے۔ سجدے اور طواف ہیں۔ رونا اور دھونا ہے۔ شیرینی اور چادریں ہیں۔ چرس اور بھنگ ہے۔ عریانی اور فحاشی ہے۔ گانا اور بجانا ہے۔ عُرس اور میلے ہیں۔ منتیں اور مُرادیں ہیں۔ تبرک اور چڑھاوے ہیں۔ غرض ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اُس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور جس میں مُبتلا ہونے والوں کو دُنیا میں ذلت اور آخرت میں جہنم کی آگ سے ڈرایا تھا۔

عَنْ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ مشکوٰۃ ص۶۹ (رواہ مسلم)

ترجمہ: جُندُب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ لوگو! کان کھول کر سُن لو کہ تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں، انھوں نے اپنے انبیاء اور اپنے اولیاء کی قبروں کو عبادت گاہ اور سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ سُنو! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں اس فعل سے تم کو منع کرتا ہوں۔ (اس حدیث کو بیان کیا امام مسلم نے)۔

قرآن کریم میں اس فعلِ شنیع سے روکنے کے لئے کس قدر بلیغ اور علمی بیان آیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝۲۱ (سورۃ النحل)

ترجمہ: اور اللہ کے علاوہ، وہ دُوسری ہستیاں جن کو لوگ (حاجت روائی کیلئے) پکارتے ہیں وہ کسی چیز

کی بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔ مُردہ ہیں نہ کہ زندہ۔ اور اُن کو یہ تک معلوم نہیں ہے کہ انھیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اُٹھایا جائے گا۔

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ نہ تو بُت ہو سکتے ہیں اور نہ شیطان اور فرشتے، بلکہ صاف صاف مُراد قبر والوں سے ہے کیوں کہ شیطان اور فرشتے تو زندہ ہیں۔ اُن پر اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ (مُردے ہیں نہ کہ زندہ) کا اطلاق ممکن نہیں۔ رہے لکڑی اور پتھر کے بُت تو اُن کیلئے دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لامحالہ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (اُن کو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ اُنھیں کب دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا) سے مُراد انبیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی اِنسان ہی ہو سکتے ہیں۔ جن کو ان کے معتقدین، دستگیر، داتا، گنج بخش، مشکل کشا، فریاد رس، غریب نواز اور نہ معلوم کیا کیا قرار دیکر حاجت رَوائی کیلئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ملک عرب میں اس طرح کے معبود نہیں پائے جاتے تھے تو یہ اُس کی تاریخ سے ناواقفیت کا کھلا ثبوت ہے۔ کیونکہ ہر تاریخ دان جانتا ہے کہ عرب میں متعدد قبائل مثلاً ربیعہ، غسّان، کلب، تغلِب، قضاعہ، کنانہ، حرث، کعب، کِندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں مذاہب انبیاء، اولیاء اور شہداء کی پرستش سے بُری طرح آلودہ تھے اور اسی طرح مُشرکین کے بہت سے معبود گذرے ہوئے انسان ہی تو تھے، جنھیں بعد کی نسلوں نے خُدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابنِ عباسؓ کی روایت ہے کہ قوم نوحؑ کے وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر، یہ سب اولیاء اللہ تھے۔ جنھیں بعد کے لوگ خدا بنا کر پُوجنے لگے۔ بعض اُن کی قبروں سے وابستہ ہو گئے اور بعض نے ان کے مجسّمے اور بُت بنا کر پُوجنا شروع کر دیا۔ عرب میں بھی اُن کی خوب پُوجا ہو رہی تھی۔ اِسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ اَساف اور نائلہ دونوں انسان ہی تھے۔ (ماخوذ)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی (وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا)۔ (سورہ نوح : ۲۳)

ترجمہ: ابنِ عباسؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول، اور قوم نوحؑ کے سرداروں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اور دیکھو وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر سے ہرگز الگ نہ ہونا۔

قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍؓ۔ اِنَّ هٰؤُلَاۗءِ كَانُوْا قَوْمًا صَالِحِيْنَ فِیْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا مَاتُوْا عَكَفُوْا عَلٰی قُبُوْرِهِمْ ثُمَّ صَوَّرُوْا تَمَاثِيْلَهُمْ فَعَبَدُوْهُمْ۔ ثُمَّ صَارَتْ هٰذِهِ الْاَوْثَانُ فِیْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ۔ (مستفاض من کتب التفاسیر والبخاری) ترجمہ: ابنِ عباسؓ نے کہا کہ یہ سب وَدّ، سُواع وغیرہ قوم نوحؑ کے اولیاء اللہ تھے۔ جب وہ مر گئے تو لوگ اُن کی قبروں سے وابستہ ہو گئے اور پھر اُن کی عبادت کرنے لگے۔ پھر یہی بُت عرب کے قبائل میں پھیل گئے۔

یہی بات قرآنِ کریم میں پروردگارِ عالم نے اِرشاد فرمائی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۱۹۴ (الاعراف ۱۹۴)

ترجمہ: تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہو وہ تو محض اللہ کے بندے ہیں جیسے تم بندے ہو۔ اُن سے دُعائیں مانگ دیکھو، یہ تمھاری دُعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمھارے خیالات صحیح ہیں۔

معلوم ہوا کہ نعرۂ رسالت "یا رسول"، نعرۂ حیدری "یا علی" اور نعرۂ غوثیہ سارے کے سارے نعرے مُسلمان اور مومن کے بہر حال نہیں ہیں۔ مومن کا تو ایک ہی نعرہ "اللہ اکبر" ہے۔ یہی نعرہ نبیؐ اور سارے صحابہ کرامؓ نے لگایا۔

آج اس اُمت پر نگاہ ڈالئے تو یہی نقشہ نظر کے سامنے ہوگا۔ کہیں کوئی قبر مسجودِ خلائق ہے۔ کہیں کوئی آستانہ ہے، جس کی چوکھٹ پر جبیں سائی کی جا رہی ہے۔ کسی کو دستگیر، کسی کو غوث، کسی کو مشکل کُشا پکارا جا رہا ہے اور وہ گھر جہاں پیشانیوں کو جُھکنا چاہئے تھا خالی پڑے ہیں۔ اور اس ذات کے ساتھ جو صحیح معنوں میں دستگیر، مشکل کُشا اور حاجت رَوا ہے یوں شریک ٹھہرائے جا رہے ہیں۔ اب اگر مالکِ کائنات کا غصہ اس اُمت پر بھڑکے اور وہ اس کے عذاب کے کوڑے کی مستحق نہ ٹھہرے تو اور کیا ہو۔ پروردگارِ عالم کو سب سے زیادہ نفرت اس بات سے ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے۔ یا اس کو چھوڑ کر کسی اور کو حاجت رَوا اور مشکل کُشا مان لیا جائے اس بات کو کہیں وہ "ظلم عظیم" کا نام دیتا ہے جیسے سورۂ لقمان میں ہے کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (لقمان ۱۳) حق یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے"۔ اور کہیں مالک، شرک کو گالی سے تعبیر کرتا ہے جیسے کہ بخاری کی روایت میں ہے (ابن آدم شتمنی (ترجمہ:) ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے۔ حدیہ ہے کہ جو شخص بھی اس نجاست میں لت پت ہو کر بغیر توبہ کے مرجائے اس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہ کریگا اور وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتا رہیگا چاہے اس نے نمازوں پر نمازیں پڑھی ہوں، روزوں پر روزے رکھے ہوں، اور حجوں پر حج کئے ہوں قرآن کی بے شمار آیتیں اس پر گواہ ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ط (النساء: ۱۱۶)

(ترجمہ:) اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے سوا سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جس کو وہ معاف کرنا چاہے۔

شرک سے اللہ تعالیٰ اس قدر بیزار ہے کہ سورۂ انعام میں اٹھارہ برگزیدہ انبیاء کے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ اگر ان میں سے کہیں کوئی شرک کر بیٹھتا تو اس کے سارے اعمال غارت ہو جاتے۔ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانعام: ۸۸)

(ترجمہ:) لیکن اگر کہیں ان لوگوں (انبیاء) نے شرک کیا ہوتا تو ان سب کا کیا کرایا غارت ہو جاتا۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو اور تم سے پہلے گذرے ہوئے سارے انبیاء کو وحی بھیج کر بتلایا گیا ہے کہ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آیۃ: ۶۵ الزمر)

ترجمہ: اگر (بفرضِ محال) تم نے شرک کیا تو تمہارا سرمایۂ عمل ضائع ہو جائیگا اور تم دیوالیہ ہو جاؤگے (الزمر ۶۵)

پچھلی اُمتوں کو شرک کی لعنت میں مبتلا کرنے میں قبروں [illegible] سے بڑا حصہ ہے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں لوگوں کو قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا۔ پھر جب اجازت دی تو اس کے ساتھ یہ پابندی لگا دی کہ کچھ مانگنے کے لئے نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لئے جاؤ۔ آخرت کو یاد کرنے اور دُنیا سے بے [illegible] پیدا کرنے کے لئے جاؤ۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ (ابن ماجہ وفی المسلم تذکر الموت)

(ترجمہ) عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! میں نے تم کو قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا لیکن اب اجازت دیتا ہوں کیونکہ قبروں کو دیکھ کر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے (ابن ماجہ) اور مسلم میں ہے کہ یہ قبریں موت یاد دلاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴)

اور اس کام کے لئے اولیاء اللہ کی قبریں مخصوص نہیں بلکہ مشرک تک کی قبر کی زیارت کی اجازت ہے اور اسی لئے امام نسائی اور ابن ماجہ نے "زیارۃ قبر المشرک" کا باب باندھا ہے اور اس کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ماں کے لئے استغفار کی اجازت چاہنے کا واقعہ لائے ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو اپنی ماں کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کی اجازت نہیں دی مگر قبر کی زیارت کی اجازت دیدی۔ اور قبر پر پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ موت کی یاد دلاتی ہے۔ (نسائی صفحہ ۲۹۶)

صاف ظاہر ہے کہ عبرت کیلئے تو غریبانہ قبریں ہی موزوں ہو سکتی ہیں نہ کہ سنگِ مرمر کی تراشی ہوئی عمارتیں جہاں پھولوں کی بارش ہو رہی ہو اور جہاں کی ہوائیں خوشبوؤں سے بوجھل ہوں۔ زبانِ نبوت نے قبروں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

قبروں کو پختہ نہ بنایا جائے

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ: جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ قبر کے اوپر کوئی عمارت بنائی جائے یا قبر پر بیٹھا جائے۔ (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو بلند کرنے سے بھی منع کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ قبریں زمین کے برابر رکھی جائیں۔

قبریں زمین کے برابر ہوں

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ شُفَيٍّ قَالَ كُنَّا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ بِاَرْضِ الرُّوْمِ بِرُوْدِسَ فَتُوُفِّيَ صَاحِبٌ لَّنَا فَاَمَرَ فَضَالَةُ بِقَبْرِهٖ فَسُوِّيَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا۔ (مسلم)

ترجمہ: ثمامہ بن شفیؒ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ارضِ روم کے جزیرہ رودس (RHODES) میں تھے کہ ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا۔ فضالہؓ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم ان کی قبر کو برابر کر دیں پھر فرمایا کہ میں نے نبی کو ایسا ہی حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۳ مصری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اونچی قبریں اور ان پر بنی ہوئی عمارتیں اس قدر ناپسند تھیں کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لئے خاص طور پر بھیجا کہ وہ ان کی بلندی کو مٹا دیں۔

اونچی قبر برابر کر دی جائے

عَنْ اَبِي الْهَيَّاجِ الْاَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِيْ عَلِيٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابو الہیاج اسدی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اے ابو الہیاج کیا میں تم کو اس کام کیلئے نہ بھیجوں جس کام کے لئے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور وہ کام یہ:

ہے کہ جاؤ اور جو تصویر تم کو نظر آئے اُس کو مٹا دو اور جو قبر اونچی ملے اُسے برابر کردو۔ (مشکوٰۃ صہ ۱۴۸ ، مسلم)

امام شافعیؒ اپنی کتاب 'الام' میں لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے علماء قبروں پر بنی ہوئی عمارت کو گرا دینے کا حکم دیتے تھے۔ (شرح مسلم للنووی جلد ۱، صہ ۳۷ ۔ طبع مصر)

گنبدِ خضراء کی تاریخ

یہ حدیث سننے کے بعد بعض ذہنوں میں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ اگر اس حدیث کا یہی منشاء ہے تو خود قبر نبوی پر یہ قبہ گنبد خضراء کیسے وجود میں آیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقریباً سات سو سال تک قبر نبوی پر کوئی عمارت نہیں تھی پھر ۶۷۸ھ میں منصور بن قلاوون صالحی (بادشاہ مصر) نے کمال احمد بن برہان عبدالقوی کے مشورہ سے لکڑی کا ایک جنگلہ بنوایا اور اُسے حجرہ کی چھت پر لگا دیا۔ اور اُس کا نام 'قبہ رزاق' پڑ گیا۔ اُس وقت کے علماء ہر چند کہ اس صاحب اقتدار کو نہ روک سکے، مگر انہوں نے اس کام کو بہت بُرا سمجھا۔ اور جب یہ مشورہ دینے والا الکمال احمد معزول کیا گیا تو لوگوں نے اُس کی معزولی کو اللہ کی طرف سے اُس کے اس فعل کی پاداش شمار کیا۔ پھر الملک الناصر حسن بن محمد قلاوون نے اور اس کے بعد ۷۶۵ھ میں الملک الاشرف شعبان بن حسین بن محمد نے اس میں تعمیری اضافے کئے، یہاں تک کہ موجودہ تعمیر عمل میں آئی۔ (وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۱ صہ ۴۳۶-۴۳۵)

مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں فقہاء کا بھی مسلک نقل کر دیا جائے۔ مسلکِ احناف کے سب سے معتبر فقیہہ علامہ شامی لکھتے ہیں، وَاَمَّا الْبِنَاءُ عَلَیْہِ فَلَمْ اَرَ مَنِ اخْتَارَ جَوَازَہٗ۔ (شامی صہ ۸۳۹ جلد ۱ مطبوعہ استنبول)

ترجمہ: میری نظر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے قبر پر عمارت بنانے کو جائز کہا ہو۔ پھر امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ بیان کرتے ہیں: وَعَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَؒ یُکْرَہُ اَنْ یُّبْنٰی عَلَیْہِ بِنَاءٌ مِنْ بَیْتٍ اَوْ قُبَّۃٍ وَّنَحْوِ ذٰلِکَ لِمَا رَوٰی جَابِرٌؓ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ تجصیص القبور وان یکتب علیها وان یبنی علیها۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ نے قبر پر کوئی عمارت مثلاً گھر، قبہ وغیرہ بنانے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ حضرت جابرؓ کی روایت میں نبیؐ سے اس کی ممانعت آئی ہے۔ کہ قبر کو پختہ بنایا جائے۔ اُس پر کتبہ لگایا جائے یا اُس پر عمارت تعمیر کی جائے۔ (شامی، جلد ۱، صہ ۸۳۹۔ استنبول)

زیارتِ قبور کی اجازت کی غرض

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قبروں پر جانے کی اجازت دی اس وقت یہ بھی بتا دیا کہ قبروں پر کچھ لینے کی غرض سے نہ جاؤ بلکہ کچھ دینے کیلئے جاؤ۔ اور دینا یہ ہے کہ قبر والوں کے حق میں دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب سے سلامتی میں رکھے اور ان کے اور تمہارے اپنے گناہ معاف کرے۔ نبیؐ نے قبروں کیلئے یہ دُعا تعلیم فرمائی ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ (ترمذی)

ترجمہ: اے قبروں کے باسیو! تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف فرمائے اور تمہیں بھی۔ تم ہم سے پہلے جا چکے ہو اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔ (ترمذی)

بالکل یہی معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب ہم اپنے ہر مرنے والے کے ساتھ کرتے ہیں، چاہے وہ ایک عام گنہگار مسلمان ہو اور چاہے کوئی خدا رسیدہ ولی۔ اس کا جنازہ ہمارے سامنے ہوتا ہے اور ہم صف باندھے دُعا کر رہے ہوتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثٰنَا ...... الخ

(ابوداود۔ نسائی۔ ترمذی)

(ترجمہ) اے اللہ معاف فرمادے ہمارے زندوں کو اور ہمارے مُردوں کو ہمارے حاضروں کو اور ہمارے غائبوں کو ہمارے چھوٹوں کو اور ہمارے بڑوں کو، ہمارے مَردوں کو اور ہماری عورتوں کو.... الخ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی وغیرہ۔ مشکوٰۃ ص۱۴۶)

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ زمین کے باہر تو ہم اپنے مرنیوالوں کیلئے دُعا کر رہے ہوں مگر جب وہ زمین کے اندر اتر جائیں تو ہمارے حاجت روا "مشکل کُشا" بن جائیں۔

تاویلات اور معذرتیں

لوگوں کو جب سمجھایا جاتا ہے کہ جس کو تم ولی اللہ سمجھتے ہو اُس کی قبر کے پاس پہنچکر اس قدر خوفزدہ اور بدحواس کیوں ہو جاتے ہو کہ کبھی قبر کے پاس جُھکے جا رہے ہو، کبھی قبر کو ہاتھ لگا کر اس کی خاک بدن پر ملتے ہو، کبھی اُس کا طواف کرتے ہو، کبھی ہاتھ باندھے اس کے پاس اپنی بپتائیں بیان کر رہے ہوتے ہیں، کبھی صاحبِ قبر کی دُہائی دیتے ہو، کبھی نذر و نیاز اور چڑھاوے پر اُتر آتے ہو، کبھی منّتیں مانتے ہو کہ اولاد ہو جائے تو یہ نذر کروں گا۔ بیماری چلی جائے تو یہ خدمت بجا لاؤں گا، واپس ہونے لگتے ہو تو اُلٹے پیروں چلتے ہو کہ قبر کی طرف پیٹھ نہ ہونے پائے قبر کے قریب یا دور جہاں سے بھی گذرو قبر کا رُخ کر کے سلام کرتے ہو اور اس میں برکت جانتے ہو، اور ایسا نہ کرنے پر سخت مشکل میں پڑجانے کا دھڑکا تمہیں لگا رہتا ہے، اولاد ہو تو نہلا دھلا کر لاتے ہو اور فرش پر ڈال دیتے ہو، دولہا کو نکاح کے واسطے لئے جا رہے ہوتے ہو تو پہلے قبر پر حاضری دیتے ہو۔ آخر یہ سب کیوں کرتے ہو؟ کیا یہ غیر اللہ کی پرستش اور پُوجا نہیں ہے؟ اور کیا کسی ایک ولی اللہ نے بھی اس بات کا حکم دیا ہے؟ ولی اللہ تو نمازیں پڑھنے والے، روزے رکھنے والے، اللہ سے ڈرنے والے اور اللہ ہی کو پکارنے والے ہوتے ہیں، وہ یہ بات کیسے پسند کر سکتے تھے کہ تم یہ کام کرنے کے بجائے اُن کو پکارو، اُن سے مانگو، ان کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ شان بیان کی ہے:

اولیاء اللہ کون ہیں؟

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ یونس (ترجمہ): سُنو! جو اللہ کے اولیاء ہیں اُن کے لئے کسی خوف و رنج کا موقع نہیں، اولیاء وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور جو اللہ سے ڈرنے والے تھے۔

اس آیت سے یہ کہاں نکلتا ہے کہ اولیاء اللہ مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔

اولیاء اللہ کے دُشمن کون ہیں؟

اولیاء اللہ کے دُشمن وہ نہیں جو اُن کی صحیح پیروی کرتے ہیں، اُن کے نقشِ قدم کو نگاہ میں رکھتے ہوئے چلتے ہیں اُن کو اُن کا اصلی مقام دیتے ہیں بلکہ اُن کے دُشمن وہ ہیں جو اُن کی قبروں کو پختہ کرتے ہیں، اُن پر قبے بنا کر عرس، میلے، بھجن اور قوالیاں شروع کر دیتے ہیں۔ مشکل میں اُن کو پکارتے ہیں اور اُن کی نذر و نیاز کر کے ان کو خدائی میں شریک ٹھیر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کھول کھول کر اولیاء اللہ کے ان دشمنوں کا پتہ بتلایا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ (الاحقاف آیۃ ۵، ۶)

یعنی اس شخص سے زیادہ گمراہ اور کون ہے جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو آواز دے حالانکہ وہ قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ وہ تو اُن کی پکار ہی سے غافل ہیں۔ ہاں، قیامت کے دن جب سب لوگ جمع کئے جائیں گے (اور ان اولیاء اللہ کو اپنے پجاریوں کی حرکات سے باخبر کیا جائیگا) تو یہ (اولیاء اللہ)

اُن کے (اپنے مجادیوں کے) دُشمن بن جائیں گے اور اُن کی پوجا پاٹ کا شدت کے ساتھ انکار کر دینگے۔ (سورۃ الاحقاف آیت ۶ پ ۲۶)

معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے اصلی دشمن وہ لوگ ہیں جو اُن کو خدائی میں شریک ٹھہرا کر اُن کی قبروں پر چادریں چڑھاتے ہیں اور ان کا پرشاد کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنے ولی کے دُشمن سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ من عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہٗ بالحرب (بخاری) یعنی جس نے میرے ولی سے دُشمنی کی اُس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ (بخاری)

جب معاملہ یہ ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے اور اولیاء اللہ سے دُشمنی کرنا چھوڑ دیا جائے۔

عجیب بات ہے کہ جب ان ناسمجھوں سے کہا جاتا ہے کہ تمھیں بتاؤ کہ کیا کوئی ایماندار اور اللہ سے ڈرنے والا ان باتوں کا حکم دے سکتا ہے جو تم آج کرتے ہو، تو جواب ملتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ ہم گنہگار لوگ ہیں، ہماری پہنچ اللہ کے دربار تک کہاں، اور یہ خدا رسیدہ بزرگ تھے ہم ان کو خوش کر کے اللہ کے یہاں اپنا وسیلہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری بات وہاں تک پہنچا دیں۔ آخر دُنیا میں بادشاہ تک پہنچنا ہوتا ہے تو کیا درباریوں اور وزراء کو وسیلہ نہیں بنایا جاتا۔ یہ بالکل وہی بات ہے جو عرب کے لوگ اس وقت کہا کرتے تھے جب اُن کو ٹوکا جاتا تھا کہ ایک مالک کو چھوڑ کر تم دُوسروں کے پاس کیوں جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں اُن کا نقشہ یوں پیش فرماتا ہے:

غلط توجیہہ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر آیت ۳)

(ترجمہ:) رہے وہ لوگ جنھوں نے اُس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (وہ اپنے اس فعل کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو اُن کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔

اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ: هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ (یونس آیت ۱۸) یعنی یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ (سورہ یونس، آیت ۱۸)

سچ ہے دُنیا بھر کے لوگ ہمیشہ سے یہی کہتے آئے ہیں کہ ہم دُوسری ہستیوں کی عبادت اُن کو خالق سمجھتے ہوئے نہیں کرتے، خالق تو ہم اللہ ہی کو مانتے ہیں اور اصل معبود اُسی کو سمجھتے ہیں، لیکن اُس کی بارگاہ بہت اونچی ہے وہاں تک ہماری رسائی بھلا کہاں، اس لئے ہم ان بزرگوں کو وسیلہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری دُعائیں اور التجائیں اس تک پہنچا دیں اور ہمارے سفارشی بنیں۔

کاش! انھیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دُنیا کے بادشاہوں سے بالکل مختلف ہے۔ دُنیا کے بادشاہوں کو تو سوال کرنے والے کے حالات اور ضروریات کا کچھ علم نہیں ہوتا مگر مالک اس نقص سے پاک ہے۔ وہ تو ہر انسان کے دِل کی بات تک سے واقف ہے اس کو اس کی ضرورت نہیں کہ اُس کا کوئی وزیر اُس تک خبر پہنچائے تب اُسے معلوم ہو۔

دُنیا کے بادشاہوں کی طرح وہ اپنے سرداروں اور وزیروں کے جھرمٹ میں نہیں رہتا کہ جب تک کوئی سردار یا وزیر اُٹھ کر سفارش نہ کرے وہ کسی کی عرضداشت سُننے پر رضامند ہی نہ ہو۔ اور نہ وہ دُنیاوی بادشاہوں کی طرح تند مزاج اور غصہ ور ہے کہ کسی سائل کو خدامِ ادب کا ذریعہ چھوڑ کر براہ راست اس کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کا یارا نہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے وزیر اور بادشاہ قسم کی غلط مثالیں بیان کرنے سے قرآن میں منع فرمایا ہے: اور بتلا دیا ہے کہ میں ہر بات کا علم بھی رکھتا ہوں اور اپنے بندوں کیلئے ارحم الراحمین ہوں، دوسرے ایسے نہیں ہیں۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل، آیۃ ۷۴)

(ترجمہ: پس اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

مالکِ حقیقی کا حال تو یہ ہے کہ وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق: ۱۶)

(ترجمہ: ہم نے انسان کو بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں جو باتیں اُس کے جی میں آتی ہیں اور ہم اُس سے اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ق: آیت ۱۶)

یہ ہے اللہ کا معاملہ، رہے دوسرے تو ان کو اپنے پکارنے والوں کی پکار کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ پہنچانا اور سفارش کرنا تو بعد کی بات ہے۔ یہ قرآن کریم کا اصلی مسئلہ ہے۔ اور قرآن نے اولیاء اللہ کو دعائیں پہنچانے والا سمجھنے والوں کو مشرک کہا ہے۔ ابوجہل کا سب سے مضبوط عقیدہ یہی تھا۔

پروردگار براہِ راست دعاؤں کو سنتا ہے

یہی اللہ کے دربار تک دعاؤں کے پہنچانے کا مسئلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی لایا گیا تھا اور کہا جا رہا تھا کہ کیا ہماری بات براہِ راست اللہ کے دربار تک پہنچ سکتی ہے اور کیا بغیر وسیلے کے ہماری دعائیں سنی جا سکتی ہیں۔ پروردگارِ عالم نے قرآن میں اس کا جواب ارشاد فرمایا: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرۃ ۱۸۶)

(ترجمہ:) اور اے نبی، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار کو سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ میرا ہی حکم مانیں اور مجھ ہی پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنا دو، شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔

غرض اس طرح سے بتا دیا گیا ہے کہ اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دور ہوں۔ نہیں میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض معروض کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گذارش کرتا ہے میں اُسے بھی سن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں بلکہ فیصلہ بھی صادر کر دیتا ہوں اور جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے حاجت روا، مشکل کشا اور فریاد رس قرار دے رکھا ہے اُن کے پاس تو تم کو دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی وہ نہ تمہاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ اُن میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ اور میں کائنات بے پایاں کا فرمانروائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور سفارش کے براہِ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ بس جو حکم تمہیں دے رہا ہوں اُس کو مان لو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی و اطاعت کرو۔ (ماخوذ)

دعا کیلئے زندوں کو وسیلہ بنانا

بہت سے لوگ قبروں پر جانے کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم وہاں مانگنے کیلئے نہیں جاتے بلکہ ان بزرگوں سے اپنے حق میں دعا کروانے جاتے ہیں۔ اب اُن سے کہا جائے کہ اگر بزرگوں کی دعاؤں کو وسیلہ بنانا ہی ہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اُن کی زندگی میں اُن سے دعا کرواؤ۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ بات صحیح نہیں ہے تو فوراً شہداء کی زندگی اور ان کے رزق کا ذکر شروع ہو جاتا ہے کہ تم ان بزرگوں کو مردہ کہتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں شہداء کو زندہ کہتا ہے اور ان کو مردہ کہنے سے منع کرتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ قرآن میں جو حیاتِ شہداء کی آیتیں آئی ہیں وہ اس لئے نہیں آئی ہیں کہ شہداء کو وسیلہ بنایا جائے یا ان کو پکارا جائے بلکہ وہ یہ بتلانے آئی ہیں کہ مومن کا یہ فرض ہے کہ ایمان کا بول بالا کرنے کیلئے اپنا آخری قطرۂ خون تک نچھاور کردے۔ باطل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بجائے اپنا سر دینے پر تیار رہے اور اگر اس راہ میں اس کا مالک اس کی یہ قربانی قبول فرمالے تو وہ یقین رکھے کہ اس دنیاوی زندگی سے گزرنے کے فوراً بعد وہ جنتوں کی ایسی لازوال زندگی کا مستحق ہو جائیگا جہاں پھر موت نہیں اور قیامت سے پہلے ہی وہ جنتوں کی نعمتوں سے مالا مال کردیا جائیگا یہی بات ہے جو سورۂ البقرہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (البقرہ: ۱۵۴)

(ترجمہ:) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے جائیں اُن کو مُردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔

اوپر کی آیت سورۃ البقرۃ کی ہے اس کے بعد کی آیتیں جو جنگِ اُحد کے بعد سورۃ آلِ عمران میں نازل ہوئیں صاف بتاتی ہیں کہ یہ زندگی دُنیا میں قبروں کے اندر "زندہ درگور" قسم کی نہیں بلکہ جنت میں عیش و آرام کی زندگی ہے۔

شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں زندہ ہیں قبروں میں نہیں

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ (آل عمران)

(ترجمہ:) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں اُن کو مُردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔

اس طرح سے صاف بتلا دیا گیا کہ شہداء "عِنْدَ رَبِّهِمْ" اپنے رب کے پاس ہیں اور وہاں رزق پا رہے ہیں۔ ان قبروں کے اندر زندہ نہیں۔ ان کی زندگی برزخی ہے دُنیاوی نہیں۔ اب یہ سارے واضح دلائل اپنے خلاف موجود پانے کے بعد دوسرا رُخ اختیار کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ زندہ ہیں اس لئے اِس دُنیا میں بھی آتے جاتے رہتے ہیں لیکن اگر صحیح علم ہوتا تو شاید یہ بات نہ کہی جاتی کیونکہ حدیث میں صاف صاف آگیا ہے کہ جنت سے نہ تو شہداء کی رُوحیں ہی اس دنیا میں واپس آسکتی ہیں اور نہ خود شہداء اپنے جسم کے ساتھ۔

امام احمد اور ابو داؤد کی روایت ہے:— عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شہداء نہ تو روحانی طور پر اور نہ جسمانی طور پر اس دُنیا میں واپس آسکتے ہیں

قَالَ لِأَصْحَابِهِ إِنَّهُ لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ يَوْمَ أُحُدٍ جَعَلَ اللَّهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيلِهِمْ قَالُوا مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَنْكُلُوا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ إلى آخر الآيات۔ (رواہ ابو داؤد۔ مشکوٰۃ ص ۳۳۵)

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے کہا کہ جب تمہارے بھائی اُحد کے دن شہادت سے ہمکنار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی رُوحوں کو اُڑنے والے سبز قالبوں میں ڈال دیا اور انہوں نے جنت کی نہروں پر آنا جانا شروع کردیا۔ جب اس طرح انہوں نے کھانے پینے اور آرام کرنے کی آسائشیں مہیا پائیں تو آپس میں کہا کہ کون (دنیا میں) ہمارے بھائیوں تک ہمارے بارے میں یہ بات پہنچائیگا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ برتیں اور جہاد کے وقت کم ہمتی نہ دکھائیں پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے بارے میں یہ بات پہنچا دوں گا۔ پھر اللہ نے اس وقت

آل عمران کی) یہ آیتیں نازل کیں کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں اُن کو مُردہ نہ سمجھو وہ حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔"

اس حدیث کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ شہداء جنت میں زندہ ہیں اور یہ بھی کہ وہ دُنیا میں واپس نہیں آسکتے نہ تو روحانی طور پر، اور نہ جسمانی طور پر ورنہ خود آکر اپنا حال بتا دیتے اور اللہ تعالیٰ کو اُن کے بارے میں آیتیں نازل کرنا نہ پڑتیں۔ دراصل روحوں کے دنیا میں آنے جانے کے قصے خالص مشرکانہ افسانے ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں قرآن کی اس آیت کے بعد لکھا ہے۔ يُخْبِرُ تَعَالَىٰ عَنِ الشُّهَدَاءِ بِأَنَّهُمْ وَإِنْ قُتِلُوا فِي هٰذِهِ الدَّارِ فَإِنَّ أَرْوَاحَهُمْ حَيَّةٌ مَرْزُوقَةٌ فِي دَارِ الْقَرَارِ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ شہداء کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ ہرچند کہ وہ اس دُنیا میں شہید کیے گئے ہیں مگر اُن کی روحیں دار القرار (جنت) میں زندہ ہیں اور انہیں رزق ملتا ہے۔

یہی بات امام مسلم عبداللہ ابن مسعودؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ شہداء کی روحیں جنت میں سبز اڑنے والے قالبوں میں ہیں۔ اس طرح سے قرآن اور حدیث کی رُو سے صاف معلوم ہوگیا کہ شہداء کی روحیں ان قبروں میں اپنے جسموں کے اندر نہیں ہیں اور نہ اُن سے "یک گونہ" تعلق ہی باقی رہا ہے ورنہ ایک روح کے بجائے کم سے کم دو روحوں کا ماننا ضروری ہو جائیگا۔ ایک جو جنت میں ہے اور دوسری قبروں والی جس سے آج امداد مانگی جاتی ہے دولت طلب کی جاتی ہے۔ آخر وہ کونسی روح ہے جو جنتوں کی راحت چھوڑ کر قبروں کے اندھیروں میں جانا یا رہنا پسند کریگی۔ اسی بات کی تائید جابرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد کوئی دُنیا میں پھر واپس نہیں آسکتا کہ وہاں جا کر زندہ رہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَظَرَ إِلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ يَا جَابِرُ مَا لِي أَرَاكَ مُهْتَمًّا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اسْتُشْهِدَ أَبِي وَتَرَكَ دَيْنًا وَعِيَالًا قَالَ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ وَإِنَّهُ كَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا قَالَ سَلْنِي أُعْطِكَ قَالَ أَسْأَلُكَ أَنْ تَرُدَّنِي إِلَى الدُّنْيَا فَأُقْتَلَ فِيكَ ثَانِيَةً فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّهُ قَدْ سَبَقَ مِنِّي الْقَوْلُ أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يُرْجَعُونَ۔ (رواہ الترمذی والبیہقی)

(ترجمہ) جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ کیا بات ہے میں تم کو بہت غمزدہ پا رہا ہوں جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب میں عرض کیا کہ والد اُحد میں شہید ہو گئے اور ان پر قرض باقی ہے اور کنبہ بڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جابر کیا تم کو میں یہ بات نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے بھی بغیر پردے کے بات نہیں کی مگر تمہارے باپ سے آمنے سامنے ہو کر کہا کہ عبداللہ مانگو میں تم کو دوں گا۔ تمہارے باپ نے کہا مالک مجھے پھر دُنیا میں واپس لوٹا دے تاکہ میں دوسری بار تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔ اس پر مالک عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے یہ بات کہی جا چکی ہے کہ لوگ دُنیا سے چلے آنے کے بعد پھر اس کی طرف واپس نہ جا سکیں گے۔ (ترمذی و بیہقی)

صاف معلوم ہو گیا کہ مرنے والا چاہے نبی ہو چاہے شہید دُنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ جس کی بھی وفات ہو گئی اس کی دُنیاوی زندگی ختم ہو گئی اب وہ قیامت تک برزخی زندگی گزارے گا یہ دُنیا سے روانگی جس کو موت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہر فردِ بشر کیلئے مقدر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جب بعض حضرات کو یہ خیال ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طاری نہیں ہو سکتی تو ابو بکر صدیقؓ نے تقریر فرمائی اور کہا کہ: أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَقَالَ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (الزمر: ٣٠) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۔۔۔۔ إِلَى الشَّاكِرِينَ۔ (آل عمران: ١٤٤)

(ترجمہ) سن لو کہ جو محمدؐ کو پوجتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو موت آگئی اور جو اللہ تعالیٰ کا پجاری تھا اُسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ زندۂ جاوید ہے اُسے موت نہیں، پھر ابو بکر صدیقؓ نے قرآن کی یہ دو آیتیں پڑھیں (۱) اے محمدؐ تم کو بھی موت آنی ہے اور یہ لوگ بھی مر کے رہیں گے (الزمر) (۲) محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر گئے ہیں پس کیا اگر یہ مر جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پیروں پھر جاؤ گے۔ (آل عمران ۱۴۴) (بخاری ص ۵۱۰)
ابو بکرؓ کے اس خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ سارے صحابہؓ کو نبیؐ کی موت کا یقین آگیا اور اُن کی زبان پر یہ آیتیں جاری ہو گئیں۔ وفاتِ نبیؐ کا مسئلہ ایسا عظیم الشان مسئلہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کے سب سے بڑے دو ولیوں کے ذریعہ اس پر "اجماع" کروا دیا۔ کوئی دوسرا مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر ایسا اجماع ہوا ہو اور وجہ بھی ظاہر ہے کہ حیات بعد الممات ہی ایسا اعتقاد ہے جو شرک کی اصل جڑ ہے۔ اسی طرح حدیث کی کتابوں میں بے حساب صحابہؓ اور صحابیاتؓ سے نبیؐ کی موت کی تصدیق ان الفاظ میں موجود ہے مَاتَ۔ قُبِضَ۔ خرج من الدنیا وغیرہ مگر کسی کتاب میں کسی صحابیؓ سے موت کے بعد زندہ ہونا منقول نہیں ہے اور نہ کسی محدث نے "وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے باب کے بعد حیات النبیؐ بعد وفاتہ (نبیؐ کی وفات کے بعد ان کی زندگی) کا باب ہی مقرر کیا ہے۔

نبی کا خواب میں آنا

نبیؐ کو دُنیا میں زندہ ثابت کرنے اور انہیں علم و تصرف میں شریک ٹھیرانے کیلئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فلاں کے خواب میں آکر یہ بتلا دیا اور فلاں کو یہ۔ اور اس کے ثبوت میں بخاریؒ و مسلمؒ کی صحیح روایتوں سے غلط استدلال کیا جاتا ہے مثلاً امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ باب باندھا ہے: باب من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام (باب جس نے نبیؐ کو خواب میں دیکھا) پھر سب سے پہلے یہ روایت لائے ہیں.....

ان اباھریرۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ ولا یتمثل الشیطان بی قال ابو عبداللہ قال ابن سیرین اذا راٰہ علی صورتہ (بخاری ص ۱۰۳۵)

(ترجمہ:) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ ابو عبداللہ (امام بخاری) کہتے ہیں ابن سیرینؒ نے کہا کہ جب کوئی نبیؐ کو اُن کی اپنی صورت پر دیکھے (بخاری ص ۱۰۳۵)

حدیث کے الفاظ میں مَن رانی یعنی "جس نے مجھے دیکھا" صاف بتلا رہے ہیں کہ یہاں وہ لوگ مُراد ہیں جنہوں نے زندگی میں نبیؐ کو اُن کی اصلی شکل میں دیکھا تھا۔ شمائل کی کتابوں میں سراپا پڑھ لینے والے نہیں۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ شیطان میری شکل و صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ مجھے زندگی میں نہ دیکھنے والوں کو وہ خواب کے ذریعہ (دھوکہ) میں نہیں ڈال سکتا اور کسی دوسری صورت کے ذریعہ نہیں کہلوا سکتا کہ میں تمہارا نبی محمدؐ ہوں تاکہ وہ شخص جس نے نبیؐ کو نہیں دیکھا ہے اُس کے فریب میں آجائے۔ اب اس معقول بات سے گریز کیلئے دوسری بات کہی جانے لگتی ہے کہ اگر خواب میں آنے والی یہ صورت قرآن و حدیث کے مطابق بات کہے تو وہ نبیؐ ہی کی صورت ہے کیونکہ شیطان حق بات نہیں بتا سکتا۔ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بخاریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ ابو ہریرہؓ کو شیطان نے آیت الکرسی کی صحیح فضیلت بتلائی تھی اور نبیؐ نے اُس کی بات کی ان الفاظ میں تصدیق کی تھی۔ "اما انہ صدقك وھو کذوب"۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ اس نے تم کو سچی بات بتلائی ہر چند کہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ معلوم ہوا کہ شیطان سچی بات بھی بتلا سکتا ہے۔

دراصل یہ خواب کا معاملہ ایک کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے بہت سے لوگ نبیؐ کے خواب میں آنے کا قصہ سُنا سُنا کر اپنی فضیلت اور بزرگی کا اظہار کر جاتے ہیں، اور جھوٹے خواب بیان کرنے والے کے متعلق نبیؐ کی وعید سے بے پرواہ نظر آتے ہیں۔ کچھ دوسرے اسے ضعیف الاعتقاد لوگوں کے مال کو ہتھیانے کا ذریعہ بناتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں

کہ نبیؐ تشریف لائے تھے اور ارشاد فرمایا تھا کہ میرے فلاں عاشق صادق کے پاس چلے جاؤ وہ تمہاری حاجت پوری کردے گا۔ اسی طرح کبھی کسی کے متعلق یہ اظہار خیال کردیا جاتا ہے کہ نبیؐ نے خواب میں آکر یہ بتایا ہے کہ "وہ" فی الوقت اُمت کا سب سے بڑا عالم یا سب سے بڑا ولی ہے اور یہ بھول جایا جاتا ہے کہ ان باتوں پر یقین لانا اللہ تعالیٰ کے اکیلے حی و قیوم ہونے اور غائبانہ تصرفات کا اختیار رکھنے میں نبیؐ کو شریک ٹھہراتا ہے اور اُن کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ دنیا میں زندہ ہیں اور اُمت کے احوال سے واقف ہی نہیں بلکہ خواب میں آ آکر لوگوں کو اس سے باخبر بھی کرتے رہتے ہیں حالانکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بالکل خلاف اور اس کی صفات علم و تصرف میں کھلا شرک ہے۔ اسی طرح ابراہیمؑ کا کسی کے خواب میں آکر اسے مجمع کے سامنے تقریر کرنے کا حکم دینا اور اس تقریر کی تعریف و تحسین کرنا پھر اس خواب کو خواب دیکھنے والے کی فضیلت اور بزرگی کا ثبوت ٹھہرانا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اعاذنا اللہ۔

نبیؐ کو حیات، علم اور تصرف میں خدا کا شریک ٹھہرانے کیلئے یہ "خواب" کا کھیل کھیلا گیا ہے اُسے اب بند ہوجانا چاہئے

اللہ فرماتا ہے، يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ (المائدہ ۱۰۹)

ترجمہ۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سارے پیغمبروں کو جمع کریگا اور اُن سے پوچھے گا کہ تمہاری اُمت نے کہاں تک دعوت الٰہی کی اجابت کی۔ سارے پیغمبر کہیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں (کہ انہوں نے ہمارے پیچھے کیا کچھ کیا) غیب کا علم رکھنے والا تو صرف تو ہے (اللہ)

قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کا جواب تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (المائدہ ۱۱۷)

ترجمہ اور میں جب تک ان میں قیام پذیر رہا ان کے احوال کی نگرانی کرتا رہا پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو صرف تو (اے مالک) ان پر نگراں باقی رہ گیا۔ (المائدہ ۱۱۷)

عیسیٰ علیہ السلام اس طرح اپنے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی اپنی زبان سے نفی کریں گے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری نے متعدد احادیث روایت کی ہیں کہ میرے اُمتی میری طرف حوض کوثر پر آتے آتے جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے اور میں آواز دوں گا کہ ہاں ہاں یہ میرے اُمتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا جائیگا۔ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں ایجاد کی تھیں (بخاری ۶۶۵)

اگر نبیؐ کو اپنی وفات کے بعد اُمت کے حالات کی خبر ہوتی تو وہ ان لوگوں کے جہنم کی طرف جانے پر ہرگز تعجب کرتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات کہی جاتی کہ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ۔ بخاریؒ نے یہی ثابت کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ نبیؐ وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور اُمت کے حالات سے باخبر بھی، اور بعض افراد کو ان حالات سے آگاہ بھی کرتے رہتے ہیں تو یہ بات کتاب الٰہی کے سراسر خلاف اور صفت حیات، علم و تصرف میں کھلا شرک ہے۔

سلطان نورالدین زنگی کا سیسے کی دیواروں والا مشہور قصہ بھی اسی قبیل سے ہے، بے اصل و بے بنیاد۔ لے دے کر بشرات تو جب وہ حق ثابت ہوجائیں تب یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ سچے تھے ورنہ "اضغاث احلام" کسی کا خواب دیکھ کر یہ کہنا کہ ایسا ہونے والا ہے یا تو خدائی کا دعویٰ ہے یا نبوت کا۔

رائی کا پربت خدا معلوم کہ لوگوں نے جو نبیؐ کے خواب میں آنے کے بے حساب افسانے تراش لیے ہیں ان سے ان کا مطلب کیا ہے، اگر کہنا یہ ہے کہ نبیؐ خواب دیکھنے والے کے پاس آکر کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس سے فائدہ؟ خواب دیکھنے والا تو سو رہا ہوتا ہے اور اگر دماغ کے اندر آنا مراد ہے تو بہرحال خیالات میں آنا ہی مراد ہوسکتا ہے جسمی اور وجودی آمد تو نہیں۔ کیا کہنے والے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبیؐ کو اُمت کے حالات کا علم ہوتا ہے اور وہ اپنے اُمتی کی ضروریات اور حاجات سے باخبر رہتے ہیں اور جب بھی جس کے لئے مناسب سمجھتے ہیں اپنی قبر سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور سوتے میں اس کے دماغ یا خیالات میں داخل ہو کر اسے جو کچھ بتانا ہوتا ہے بتا دیتے ہیں اور اتنی دیر کیلئے مدینہ منورہ میں قبر خالی رہ جاتی ہے اور اگر ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں مختلف

لوگ آپؐ کا خواب دیکھیں تو بیک وقت آپؐ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، کیا خوب، اور پھر وہ جس نے کبھی نبیؐ کو حیات میں نہ دیکھا ہو وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں نے نبیؐ ہی کو دیکھا ہے۔ در اصل یہ روایت جو آئی ہے وہ لوگوں کے کاروبار دینداری کو چمکانے کیلئے نہیں آئی ہے بلکہ یہ بتاتی ہے کہ نبیؐ کی یہ خصوصیت ہے کہ شیطان آپؐ کا روپ نہیں دھار سکتا جس طرح حدیث میں یہ خصوصیت آئی ہے کہ ہر فرد بشر کے ساتھ شیطان لگا رہتا ہے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپؐ کے ساتھ بھی ہے، فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے مگر وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ (مسلم مشکوۃ ص۱۸) یعنی ہاں میرے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی۔ اور وہ شیطان میرا مطیع ہو گیا۔ (مسلم مشکوۃ ص۱۸)

جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس خصوصیت کے ذریعہ شیطان کے شر سے محفوظ فرما دیا اسی طرح صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ کو بھی دوسری خصوصیت کے ذریعہ اُسکے شر سے بچا لیا ورنہ آپؐ کی زندگی میں جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا اور صحابہؓ عرب کے دور دراز مقامات پر عامل بنا کر بھیج دیئے گئے تھے شیطان اگر یمن میں معاذ بن جبلؓ کے خواب میں نبیؐ کے روپ میں آکر کہتا کہ پہلے جبکہ اُمت کی تعداد کم تھی فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے پڑھی جاتی تھی اب کہ کثرت ہو گئی ہے اسلئے آسانی کے پیش نظر سورج نکلنے کے بعد پڑھی جانی چاہیئے تو معاذؓ کس قدر اُلجھن میں پڑ جاتے کیونکہ خواب میں آنیوالی صورت تو جانی پہچانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ہوتی۔ اب دریافت حال کیلئے آدمی بھیجیں تو مہینوں کا سفر۔ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مشکل سے بچا لیا۔

اصولی بحث بعض جابکدست اس حدیث کے سلسلہ میں یہ بات اُٹھاتے ہیں کہ "مَنْ رَاٰنِيْ" میں "مَنْ" عام ہے۔ تم نے اس سے صرف صحابہ کرامؓ کیسے مُراد لے لیا۔ کاش ان کو کوئی یہ بتائے کہ اگر "مَنْ" کو عام مانتے ہو تو پھر اپنے اعتقاد کے خلاف یہ بھی مانو کہ نبیؐ کو ایک مشرک و قادیانی بھی خواب میں دیکھ سکتا ہے۔ دوسری بات اصولی ہے اور وہ یہ کہ "مَنْ" "كُلّ" کی طرح خاص بھی ہوتا ہے جیسے اصول سرخسی کی عبارت صاف بتاتی ہے كلمة كل وهي تَحْتَمِلُ الخصوص نحو كلمة من (اصول سرخسی ص۱۵۷ سطر ۱۷-۱۹)

ناقابل اعتبار روایتیں افسوس کہ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اب گھڑی ہوئی اور ناقابل اعتبار روایتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ نبیؐ قبر میں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔ اُمت کا صلوٰۃ و سلام ان تک پہنچتا ہے۔ صلوٰۃ و سلام ہی نہیں اُمت کے اعمال بھی ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ کاش! ان روایتوں کی حیثیت کا لوگوں کو صحیح علم ہوتا۔ مناسب ہے کہ ان روایتوں کی اصل حقیقت واضح کر دی جائے۔

قبر میں زندگی کھانا پینا، اور نماز

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ سب کو مرنا ہے اور مرنے کے بعد صرف قیامت کے دن ہی اُٹھنا ہے ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ ○ (المؤمنون ۱۵-۱۶) ترجمہ: (دنیاوی زندگی) کے بعد تمہیں ایک دن ضرور مرنا ہے اور پھر روز قیامت ہی اُٹھایا جانا ہے۔ (المؤمنون آیۃ ۱۵-۱۶) یہ اصول عام ہے اس میں کوئی استثنیٰ نہیں۔ لیکن لوگ قبر میں دنیاوی زندگی کے ثبوت میں جھوٹی روایات لاتے ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت "فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ فِي الْقَبْرِ يُرْزَقُ" ترجمہ: اللہ کا نبی قبر میں زندہ ہے اور اُسے رزق دیا جاتا ہے۔ پوری سند یوں ہے:-

حدثنا عمرو بن سواد المصري حدثنا عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث عن سعيد بن ابي هلال عن زيد بن ايمن عن عبادة بن نسي عن ابي الدرداءؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .....

فنبی اللّٰہ حیٌ یرزق۔ (رواہ ابن ماجہ)

اس روایت میں ارسال ہے کیونکہ زید بن ایمن کا عبادہ بن نسی سے سماع نہیں ہے۔ راوی سعید بن ابی ہلال کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے۔ ابو بکر ابن العربی المالکی کہتے ہیں کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۳۹۶۔ التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۷)

رہی بیہقی کی روایت کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں) تو وہ بھی ناقابل اعتبار ہے کیونکہ اس کا راوی حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کو امام ذہبیؒ "ھو ھالك" (وہ ہلاک کرنے والا ہے) کہتے ہیں۔ دار قطنی اُسے "متروک الحدیث"۔ ابو حاتم "ضعیف" اور ازدی واھی الحدیث" (بے بنیاد روایتیں بیان کرنے والا) اور عُقیلی کثیر الوہم کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال صفحہ ۲۴۱ ج ۱ و ابن حجر عسقلانی لسان المیزان صفحہ ۲۴۶ ج ۲)

حافظ ابن قیم نے "الصواعق المرسلة" میں اپنے قصیدہ نونیہ میں ان روایتوں کے بارے میں کہا ہے۔ شعر ؎

وحدیث ذکر حیاتھم بقبورھم لمّا یصح وظاھر النکران

ترجمہ: قبر میں انبیاء کی زندگی جس روایت میں مذکور ہے وہ صحیح نہیں اور اُس کا منکر ہونا صاف ظاہر ہے۔

اور ابو یعلیٰ کی روایت تو اس میں مستلم بن سعید اور حجاج بن الاسود دونوں ضعیف ہیں۔

مستلم بن سعید

ابن حجر لکھتے ہیں کہ ربما وھم یعنی کبھی کبھی وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (تقریب صفحہ ۴۸۸) شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس کو دو حدیثیں بھی یاد ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۴)

حجاج بن الاسود

ثابت البنانی سے منکر روایت نقل کرتے ہیں یہ لکھ کر ابن حجر اور الذہبی نے یہی روایت ثبوت کے طور پر پیش کی۔ (لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۵۔ میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۲۱۴)

موسیٰ علیہ السلام کی قبر میں نماز

اسی طرح مسلمؒ کی اس روایت سے مُردوں کی قبر میں زندگی پر استدلال کیا جاتا ہے جس میں نبیؐ نے معراج کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"مررتُ علیٰ موسیٰ لیلة اُسریَ بی عند الکثیب الاحمر وھو قائمٌ یصلی فی قبرہٖ"۔

ترجمہ: نبیؐ نے فرمایا کہ میں معراج کی رات موسیٰؑ کی اس قبر کے پاس سے گذرا جو سُرخ رنگ کے ٹیلے کے قریب ہے وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ (مُسلم)

اس روایت سے قبر والوں کے شیدائیوں نے "قبر میں زندگی" کے اس بودے سہارے کو دانتوں سے پکڑ لیا ہے حالانکہ اسی صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گذر کر جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں ابراہیمؑ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور بعد میں اُن کی امامت کر کے انہیں نماز پڑھائی۔ قبر کے اِن پروانوں کی ہر ادا نرالی ہے۔ صرف قبر میں زندہ ثابت کرنے ہی سے اُن کا کام چل گیا۔ آخر بیت المقدس میں بھی کیوں زندہ نہیں مانتے۔ کیونکہ اُن کے لحاظ سے بیت المقدس میں موسیٰؑ کی اس دُنیا میں زندگی کا آخری ثبوت ملتا ہے۔

مزید برآں ان کا کہنا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی انبیاء کرام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بُراق اور جبریلؑ کی رفاقت کے بغیر آسمانوں پر پہنچ گئے۔ اور اس برگزیدہ زمرہ میں صرف فوت شدہ انبیاء ہی نہیں بلکہ زندہ نبی عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے۔ کیا اس ناسمجھی کی بات کو مان لینے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ اصل معراج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں بلکہ دوسرے انبیاء کی ہوئی ہے اور یہ بات قرآن اور حدیث کی تکذیب سے کم نہیں۔ افسوس کہ معراج کے ایک معجزہ کے ذریعہ قبر کی زندگی پر مشرکانہ استدلال

کیا جاتا ہے حالانکہ معراج کی رات پوری کی پوری معجزہ کی رات ہے۔ دوسری صریح روایت جو موسیٰؑ کی موت کا ثبوت ہے نبیؐ کا یہ کہنا ہے کہ ولو کان موسیٰ حیًا ما وسعہ الا اتباعی (احمد۔ مشکوٰۃ ص۳۰)

ترجمہ: اگر آج موسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی سے مفر نہ ہوتا۔ اب بتاؤ تمہاری بات مانیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

عالم مثال ایک غلط اصطلاح ہے

دوسری طرف کچھ اور لوگ ہیں جو ان باتوں کو عالم مثال کا معاملہ ٹھہرانے پر مصر ہیں۔ اُن کی خدمت میں عرض کیا جا سکتا ہے کہ حضرات اس عالم مثال کو آپ نے اپنی طرف سے کیوں ایجاد کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس عالم کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ وہاں تو صرف "عالم برزخ" کا ذکر ہے اور بس۔ جواب مل سکتا ہے کہ بھائی واقعہ تو یہی ہے مگر کیا کریں بغیر ایسے ایک عالم کے تصور کے حدیث و قرآن کی بہت سی باتوں کی توجیہ ہی ممکن نہیں ہے۔ کیا خوب! آخر مالک نے کب یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ متشابہات کو محکمات کی طرح سمجھنا انسان پر لازم ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس راہ میں کوئی مشکل پیش آجائے تو اپنی طرف سے کچھ تخفیف اور اضافہ کی بھی اجازت ہے۔

حقیقت یوں ہے کہ یہ شریعت کے خلاف طریقت کی چیرہ دستیوں کی لاتعداد مثالوں میں سے ایک روشن مثال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس عالم میں جو اصل کے لحاظ سے برزخی ہے رُوح کو لامحدود وسعتیں عطا کر کے مثالی جسم میں ڈال دیا جاتا ہے یہ سب اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، خواجہ خضر اور دوسرے فوت شدہ بزرگوں سے اس دُنیا میں عالم بیداری کے اندر ملاقات کے جھوٹے قصّوں کے لئے دلیل مہیا کر دی جائے۔

قرآن و حدیث اس مخترعہ عالم مثال کو ماننے سے انکاری ہیں۔ قرآن فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف اُٹھا لئے گئے ہیں اور قیامت کے قریب پھر زمین پر اُتریں گے۔ بخاری اور مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت قرآن کی تصدیق کرتی ہے اور تفصیل بیان کرتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے: بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ (النساء آیت ۱۵۸-۱۵۹)

ترجمہ: بلکہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اُٹھا لیا ہے اور ہر اہل کتاب اپنی (یا اُن کی) موت سے پہلے اُن پر ضرور ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ اُن پر گواہ بنیں گے۔ (النساء آیت: ۱۵۸-۱۵۹)

پس عیسیٰؑ اگر اللہ کے پاس آسمان پر زندہ ہیں اور صرف قرب قیامت ہی میں زمین پر اُتریں گے تو اُن کے لئے برزخی زندگی اور اُن کی روح کا مثالی جسم میں ڈالا جانا سفاہت کی اعلیٰ مثال سے کم نہیں۔ اسی طرح امام مسلمؒ اپنی صحیح میں یہ روایت لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے اندر بلالؓ کے پیروں کی چاپ اپنے آگے آگے سنی حالانکہ بلالؓ دنیا میں زندہ اور مکّہ میں مقیم تھے، اور ان کو اس بات کی بالکل خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ رُوح کی موجودگی بھی معجزہ کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح جبرئیلؑ کا دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آنا اور مریم بتول کے پاس بَشَرًا سَوِيًّا کی شکل میں متشکل ہونا برزخ کا معاملہ نہیں بلکہ اسی حیاتِ دُنیا کا معاملہ ہے۔ مناسب ہے کہ سیدھی طرح ان ساری باتوں کو معجزہ مان لیا جائے جیسے کہ وہ ہیں، اور غیر اسلامی اصطلاحات کے اختراع سے باز رہ کر چند دن اور صبر کر لیا جائے قیامت کچھ بہت زیادہ دُور نہیں۔ آخر عالم بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں سے ملاقاتوں کے یہ افسانے ان ناپائیدار فلسفیانہ بنیادوں پر کب تک قائم کئے جاتے رہیں گے، اور کب تک لوگوں میں اپنے آپ کو متقی ثابت کرنے کے لئے ان جھوٹے معجزات کا چرچا ہوتا رہے گا؟

شرک کے ستون

افسوس! کہ ملت کے اندر شرک کے ان ستونوں، وسیلۂ ذات، سماع موتیٰ، مکاشفہ

اور دُو بدو ملاقات کو اُمت کے اپنے نام نہاد معماروں نے مستحکم کیا ہے، دراصل قبر کی اس مزعومہ زندگی اور اس کے متعلقات کے عقیدہ نے دُنیا کے ایمان کو برباد کر ڈالا ہے اور یہی شرک کی اصل جڑ ہے اسی فاسد عقیدہ کے برتے پر تو لوگ قبروں پر مُراقبہ اور چلّہ کشی کرتے ہیں اور سلام کر کے صاحبِ قبر سے جواب کے منتظر رہتے ہیں۔ کوئی صاحبِ قبر سے ہاتھ ملاتا ہے، اور کوئی معانقہ کرنے پر مُصر نظر آتا ہے۔ بعض ظالموں نے تو یہ تک ایجاد کر لیا ہے کہ قبر کے پاس بندرہ کر بزرگانِ دین اپنے نبیؐ سے تبلیغ و ارشاد کے طریقے سیکھ چکے ہیں۔ معاذ اللہ۔

نبیؐ پر اُمت کے اعمال کا پیش کیا جانا اور قبر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

محدثین کا اجماع ہے کہ عرضِ اعمال کی یہ روایت من گھڑت ہے روایت یوں ہے: عن ابن المبارک انا رجل من الانصار عن المنهال بن عمرو انه سمع سعيد بن المسيب يقول ليس من يوم الا يعرض فيه على النبيؐ امته غدوة وعشية فيعرفهم باسمائهم واعمالهم فلذلك يشهد عليهم (التذكرة)

ترجمہ:۔ ابن المبارکؒ نے کہا کہ مجھ سے ایک انصاری شخص نے اور اس نے المنہال بن عمرو سے سُنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن المسیب (تابعی) کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ نبی پر آپؐ کی اُمت صبح و شام پیش نہ کی جاتی ہو اور آپؐ اُمتیوں کو ان کے ناموں اور اعمالوں کے ساتھ پہچان نہ لیتے ہوں تاکہ اُن پر گواہی دیں۔

یہ حدیث نہیں بلکہ ایک تابعی سے منسوب کی جانے والی غلط بات ہے۔ پھر رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ کا نام ہے نہ پتہ۔ نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس روایت کا ذکر ہے۔ قرآن کریم یہ قاعدہ کلیہ بیان فرماتا ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المؤمنون، آیت ۱۰۰) ترجمہ۔ سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) حائل ہے دوسری زندگی کے دن تک (المؤمنون ۱۰۰) وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (احقاف، آیۃ ۵) اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں۔

یہی بات صحیح بخاری میں مختلف مقامات پر آئی ہے مثلاً يُجاءُ برجالٍ من امتي فيوخذ بهم ذات الشمال فاقول يا رب اُصيحابي فيقال انك لا تدري ما احدثوا بعدك فاقول كما قال العبد الصالح وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (المائدہ ۱۱۷) فيقال ان هؤلاء لم يزالوا مرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم (بخاری ص ۶۶۵) ترجمہ۔ نبیؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری اُمت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، اور پھر وہ بائیں طرف (جہنم کی طرف) لے جائے جانے لگیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے رب یہ تو میرے اُمتی ہیں (جہنم کی طرف کہاں چلے) اس وقت مجھ سے خطاب کیا جائے گا کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں، جواباً میں وہی کہوں گا جو عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) کا قول قرآن میں ہے کہ میں جب تک ان میں قیام پذیر رہا اُن کے احوال کی نگرانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے وفات دے دی تو صرف تو اُن پر نگران باقی رہ گیا۔ پھر مجھے بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے رخصت ہو جانے کے بعد برابر اُلٹے پیروں واپس پھرتے گئے (بخاری ص ۶۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نبیؐ پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوتے تو اُن کو اِن بدعتیوں کے معاملہ میں یہ تعجب نہ ہوتا۔

نبیؐ کا زندگی میں یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے تعرض الاعمال يوم الاثنين والخميس فاحب ان يعرض عملي وانا صائم (رواہ الترمذی) ترجمہ:۔ نبیؐ نے فرمایا کہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں دوشنبہ اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اس لئے میں محبوب رکھتا ہوں کہ ان دنوں میں جب میرے اعمال بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۱۸۰)

معلوم ہوا کہ اعمالِ انسانی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں۔ رہے وہ جو یہ عقیدہ رکھنے پر اصرار کریں کہ اعمال رسولؐ پر پیش ہوتے ہیں تو وہ کھلے مشرک ہیں۔ انہوں نے نبیؐ کو اِلٰہ بنا لیا ہے۔

انبیاءؑ کے جسد کو مٹی نہیں کھاتی

اس ضعیف روایت سے ناسمجھ لوگ انبیاء علیہم السلام کی قبر میں زندگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے مُردوں کے جسد کو تو مٹی کھا جاتی ہے مگر انبیاءؑ کے جسد کو باوجود مُردہ ہونے کے مٹی نہیں کھاتی۔ اس کمزور روایت سے انبیاءؑ کے جسموں کی خصوصیت نکالی جاتی ہے حالانکہ بخاری میں مختلف مقامات پر صراحت موجود ہے کہ عمرؓ، عبداللہ بن عمروؓ وغیرہ کے جسم بھی محفوظ پائے گئے ہیں (بخاری ۱۸۶/۱ وغیرہ) پھر یہ انبیاء علیہم کے جسد کی خصوصیت تو نہ ہوئی بالفرض یہ بات مان بھی لی جائے تو اس سے علم کیسے ثابت ہوگا جبکہ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ عُزیرؑ کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ ہم نے ان کو سو سال تک مُردہ رکھا، اُن کا جسم محفوظ رہا مگر جب سوال کیا گیا کہ کتنی مدت موت کی حالت میں رہے ہوں گے تو اُن کو اپنے متعلق بھی کوئی علم نہ تھا چہ جائیکہ دوسروں کے متعلق کچھ معلوم ہوتا۔

نبیؐ کا درود قریب سے سُننا اور دُور سے اسکا پہنچایا جانا

جس روایت میں آیا ہے کہ نبیؐ قبر کے قریب درود وسلام سُنتے ہیں اور دُور سے درود وسلام پہنچایا جاتا ہے بناوٹی روایت ہے، اور آگے زیارتِ قبرِ نبویؐ کی فضیلت کی بناوٹی روایتوں کے ساتھ آرہی ہے، باقی ابوداؤد میں جو درود کے پہنچائے جانے کی روایت آئی ہے اس میں عبداللہ بن نافع راوی ضعیف ہے۔ ہاں اس بات میں کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں کہ اگر کوئی مومن بندہ نبیؐ پر درود پڑھے گا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور نبیؐ کو بھی اسکا ثواب پہنچے گا اور ان کے درجات مزید بلند ہوں گے جیسے کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم تشہد کے کلمات پڑھتے ہو تو اس دُعا کا فائدہ اللہ تعالیٰ کے ہر صالح بندہ کو پہنچتا ہے چاہے وہ آسمان میں ہو یا زمین میں (بخاری ج۱ ص۱۱۵) ظاہر ہے کہ صلح حدیبیہ (ذوالقعدہ سنہ ۶ھ) میں عثمان رضی اللہ عنہ مشرکینِ مکہ کی حراست میں رہے۔ نمازوں کو وہ کسی حال میں ترک کرنے والے نہ تھے، مگر نماز میں پڑھا ہوا درود نبیؐ تک نہ پہنچا ورنہ عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے وہ بیعتِ رضوان نہ لیتے اور کہہ دیتے کہ عثمانؓ زندہ ہیں اور ان کا درود پہنچ رہا ہے ثابت ہوا کہ نبیؐ کو کوئی دُور سے سلام و درود سُننے والا مانے یا قریب سے بہرحال مشرکانہ عقیدہ کا حامل ہے۔ جب درود زندگی میں نہ پہنچا تو موت کے بعد کیا پہنچے گا۔

اسیطرح ملائکہ سیاحوں والی روایت بھی موضوع (گھڑی ہوئی) ہے

اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِي السَّلَامَ (نسائی ص۱۸۹، مشکوٰۃ ص۸۶)

اس روایت میں زاذان راوی ہے۔ ابن حجر تہذیب التہذیب میں اس کے متعلق کہتے ہیں کَانَ يُخْطِئُ كَثِيْرًا۔ وہ بہت زیادہ خطا کرتا تھا شعبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن کہیل سے زاذان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ابوالبختری میری نگاہ میں اس سے زیادہ اچھا ہے۔

زاذان کے متعلق ابن حجر عسقلانی تقریب التہذیب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ فیہ تشیع (اس میں شیعیت ہے) اور یہ معلوم و مشہور بات ہے کہ شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے اعمال ان کے اماموں پر پیش ہوتے رہتے ہیں اور ان کا دوسرا باطل عقیدہ یہ ہے کہ مُردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو حقوۃ (سکر) تک اس میں جان واپس آجاتی ہے۔ اپنے پہلے باطل عقیدہ کا اظہار زاذان نے اس روایت میں کیا ہے۔ اور دوسرے باطل عقیدہ کا اظہار رُوح کے بدن میں واپس لَوٹا دیے جانے کی غلط روایت میں جو ص۲۱ پر آرہی ہے اصولِ حدیث کا فیصلہ ہے کہ ایسا راوی جو حدیث میں اپنے فاسد عقیدہ

کی تائید میں روایت لائے رد کر دیا جائے گا ان روی ما یقوی بدعتہ فیرد علی المذھب المختار (نخبۃ الفکر ابن حجر مع تہذیب التہذیب ص ۳۰۲،۳۰۲ جلد ۲۔ (التقریب التہذیب ص ۱۶۱) اب اس جھوٹی روایت کی حیثیت بھی دنیا والوں کے سامنے ہے۔

نبیؐ کی وراثت کا تقسیم نہ ہونا

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ نبیؐ قبر میں زندہ ہیں اس لئے آپؐ کی وراثت تقسیم نہ ہوئی! اور آپؐ کی ازواج مطہرات سے نکاح ناجائز ٹھہرا۔ حالانکہ اس کی وجہ نبیؐ کی قبر میں زندگی نہیں بلکہ نبیؐ کا یہ قول ہے اِنَّا لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ (بخاری ۹۹۵) ترجمہ۔ ہمارے مال میں وراثت نہیں ہے ہم جو چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے (بخاری ص ۹۹۵) اسی حکم کے مطابق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے علیؓ۔ فاطمہؓ اور عباسؓ کے معاملہ میں فیصلہ کیا ہے۔ (بخاری صفحہ ۹۹۵-۹۹۶)

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ نبیؐ کی رسالت و تبلیغ دین کی سعی پر کسی قسم کے حصولِ اجر کے شک کا شائبہ بھی باقی نہ رہے اسی طرح سے زکوٰۃ اور صدقات کو بھی خاندانِ رسولؐ پر ناجائز قرار دے دیا گیا ہے۔

ازواج مطہرات کے نکاحِ ثانی کا مسئلہ

رہا ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا تو یہ بھی اس وجہ سے نہیں ہے کہ نبیؐ قبر میں زندہ ہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اُمت کی مائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ (الاحزاب) اور نبیؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖٓ اَبَدًا (الاحزاب آیت ۵۳) ترجمہ: اور نہ یہ جائز ہے کہ نبیؐ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ (الاحزاب ۵۳)

بوالعجبی دیکھیے کہ جن کو مُردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے اُن کی بیویوں کا تو نکاح ہو جائے لیکن جہاں یہ نہ کہا گیا ہو وہاں یہ بات نکالی جائے۔ شہیدوں کو اس دنیا میں زندہ ماننے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ کیا زندگی کی حالت میں کسی کی بیوی کا دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے؟

السلام علیکم یا اہل القبور

اس طرح سے قبر پرستی کیلئے تنکے کا سہارا بھی موجود نہ پا کر کہا جانے لگتا ہے کہ ہر مومن مُردہ قبر میں زندہ ہے۔ آخر نبیؐ نے مُردوں کیلئے یہی دُعا تو بتائی ہے جس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَآ اَھْلَ الْقُبُوْرِ (سلام ہو تم پر اے قبر والو) اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب ہے۔ اور خطاب سننے والے سے کیا جاتا ہے اور سُننے والا زندہ ہوتا ہے۔ یہ سب عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کیونکہ ہر عربی دان جانتا ہے کہ یہاں "یا" سے خطاب مُراد نہیں بلکہ دُعا مُراد ہے جیسے ہم اپنی زبان میں اپنے مرے ہوئے باپ کے متعلق کہتے ہیں کہ اے میرے باپ تم پر اللہ کی رحمت ہو تم نے مجھے کیسی اچھی تعلیم دی تھی۔

جوتوں کی چاپ سُننے کا معاملہ

اسی طرح المیت یسمع قرع نعالھم (مُردہ جوتوں کی چاپ سُنتا ہے) سے یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ قبر میں مُردہ زندہ ہو جاتا ہے ورنہ جوتوں کی چاپ کیسے سُنتا اور بخاری و مسلم کی اسی حدیث کا آگے والا حصہ چھوڑ دیا جاتا ہے جس میں یہ آیا ہے کہ مومن سوال و جواب کیلئے اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور جب وہ جواب ٹھیک ٹھیک دیدیتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ جہنم میں تیری یہ جگہ ہوتی (اگر تو ایمان نہ لایا) اس لئے اب اس کے بدلے جنت میں یہ جگہ ہوگی۔ اس کے برعکس معاملہ کافر و مشرک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ سوال و جواب کا معاملہ ہر مُردہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب جس شخص کا جسم جلا دیا گیا ہے یا جانوروں اور مچھلیوں نے جس کی لاش کھالی، اس کا جسم ہی باقی نہ رہا تو اٹھا کر بٹھایا جانا۔ سوال جواب کا ہونا! اور اس دُنیا میں اس کو جنت و دوزخ کا نظارہ کرایا جانا کیسے ممکن ہے

معلوم ہوا کہ یہ سب اس دنیا کا معاملہ نہیں بلکہ برزخ کا معاملہ ہے اور یہ برزخ قرآن و حدیث کے لحاظ سے ایک آڑ ہے مرنے والے اور دنیا کے درمیان وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (سورۃ المؤمنون آیۃ ۱۰۰) ترجمہ۔ اور مرنے والوں اور دنیا کے درمیان ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔ فتح الباری میں ابن الحجر عسقلانی نے ابن منیر کی تشریح بیان کی ہے کہ یہاں فرشتوں کی چاپ مراد ہے۔ يسمع قرع نعالهم کے ان الفاظ کو بعض علماء نے کنایہ ہی کی حیثیت دی ہے اور کہا ہے کہ اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ جو میت قبر میں دفن کی جاتی ہے اس سے سوال و جواب اتنی جلدی شروع ہو جاتا ہے کہ ابھی جانے والوں کے قدموں کی آہٹ تک سنی جا سکتی ہے یہی رائے امام ابو حنیفہؒ کی بھی ہے وہ بھی اس کو کنایہ مانتے ہیں۔ (تقریر جنجوہی علی مسلم، کوکب الدری ص ۲۱۹ جلد ۱) قرآن و حدیث کا متفقہ مسئلہ ہے کہ اس جسدِ عنصری سے روح نکلنے کے بعد صرف قیامت کے دن ہی واپس لوٹائی جائے گی۔

جنگ بدر کے مشرک مقتولین کا معاملہ

مناسب ہے کہ جنگِ بدر کے مشرک مقتولین کے سلسلہ میں قلیب بدر والی حدیث بھی سامنے آ جائے کہ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ [illegible] اس واقعہ کے متعلق تین حدیثیں لائے ہیں جن میں قلیب بدر میں پڑے ہوئے مقتولین سے نبیؐ نے خطاب فرما کر کہا۔ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا تُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ لَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ قَالَ قَتَادَةُ اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَتَصْغِيْرًا وَنِقْمَةً وَحَسْرَةً وَنَدَمًا۔ ترجمہ۔ ہم نے اس وعدہ کو جو ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا سچا پایا کیا تم بتاؤ کہ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا سچا پایا۔ اس وقت عمرؓ نے عرض کیا کہ نبیؐ جسم بے روح سے کب خطاب کیا جاتا ہے نبیؐ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ قتادہؒ (اسی روایت کے تابعی راوی) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مقتولین کو زندگی بخش دی تاکہ وہ نبیؐ کا کلام سن سکیں اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کو ذلت و خواری حسرت و ندامت ہو۔

معلوم ہوا کہ قتادہؒ کی رائے میں یہ سننا معجزہ کے طور پر تھا معمول نہیں۔ اس کے بعد کی دو روایتوں میں امام بخاریؒ نے اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کا فیصلہ بھی بتا دیا ہے الفاظ یہ ہیں، انهم الآن ليعلمون ان ما كنت اقول لهم حق ثم قرأت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ ترجمہ۔ عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ نبیؐ کا کہنا یہ تھا کہ اب ان کو اس بات کا پورا علم ہو گیا ہے کہ جو میں ان سے کہا کرتا تھا (یعنی مشرکوں اور کافروں کے لئے آگ) وہ حق تھا۔ پھر عائشہؓ نے قرآن کی دو آیتیں مُردوں کے نہ سننے کے بارے میں تلاوت فرمائیں جن کا مطلب یہ ہے۔

(۱) اے نبیؐ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے (النمل ۸۰) (۲) اے نبیؐ تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے (فاطر ۲۲) بخاری [illegible]

امام بخاریؒ نے ان حدیثوں کو لا کر بتا دیا کہ ان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ مُردے نہیں سنا کرتے۔

اس روایت کو بہانہ بنا کر لوگ کہتے ہیں کہ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ صحابہؓ میں اختلافی مسئلہ تھا حالانکہ صحابہ کرامؓ میں جو اختلاف تھا وہ عام مُردوں کے سننے میں نہیں تھا بلکہ صرف اس خاص واقعہ میں تھا اور وہ بھی یہ کہ بدر کے مقتولین معجزہ کے طور پر زندہ کئے گئے تاکہ وہ اپنی بے عزتی کو اپنے کانوں سے سن لیں یا سماع سے یہاں علم مراد ہے یعنی انہوں نے جان لیا ہے۔ اب دیکھئے کہ کیسی جابکدستی سے خاص کو عام بنا کر شرک کی بنیاد فراہم کر دی گئی۔

ثابت ہوا کہ قبر کے باسی دنیاوی زندگی سے بالکل عاری ہیں وہ نہ تو دنیا والوں کی پکار ہی سننے ہیں کہ جواب دیں اور نہ ان میں یہی طاقت ہے کہ دعا کو سن کر اللہ تک پہنچانے کا وسیلہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ (فاطر آیت ۱۴) ترجمہ۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہ سن سکیں گے۔

فرمان یہ ہو۔ اور شرک کے پرچارک مُردوں کو سُننے والا مان کر زندہ ثابت کریں کیونکہ سماع اور حیات لازم و ملزوم ہیں۔ فہو کذا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں زندگی کی دوسری غلط روایتیں

(۱) ایک ناقابلِ اعتبار روایت بیان کی جاتی ہے کہ واقعۃ الحرۃ کے زمانہ میں جو ذوالحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا تین رات دن مسجدِ نبوی میں نہ تو اذان دی جاسکی نہ اقامت ہوئی لیکن سعید بن مسیب نے مسجد نہیں چھوڑی، وہ نماز کا وقت قبرِ نبوی سے آنے والی ایک دبی دبائی آواز سے معلوم کر لیتے تھے۔ (رواہ الدارمی۔ مشکوٰۃ صـ۵۴۵)

سند یوں ہے: اخبرنا مروان بن محمد عن سعید بن عبد العزیز (عن سعید بن المسیب) اور یہ دونوں ناقابلِ اعتبار ہیں، سعید بن عبد العزیز کا سعید بن مسیب سے سماع نہیں اس لئے روایت منقطع ہے اور مروان بن محمد کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے اور عقیلی کہتے ہیں کہ وہ گروہِ مرجیہ میں سے تھا (میزان الاعتدال جلد ۲ صـ۱۶۱) درایت کے لحاظ سے بھی یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے کیونکہ نماز کا وقت معلوم کرنے کے لئے قبر کے اندر سے آواز کی ضرورت نہ تھی وقت یوں بھی معلوم کیا جا سکتا تھا۔

(۲) عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں اپنے اس گھر میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں دوپٹہ اتار کر داخل ہو جایا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ یہاں تو میرے شوہر ہیں یا میرے باپ ہیں لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن کر دئے گئے تو واللہ میں پوری طرح سر ڈھانپ کر داخل ہوتی تھی کیونکہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ سے شرم آتی تھی۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ صـ۱۵۴)

اس روایت کی سند یوں ہے: حدثنا عبد الصمد ثنی ابی ثنا حماد بن اسامۃ قال انا ھشام عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا۔

اس روایت میں حماد بن اسامہ راوی کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ آخری عمر میں دوسروں کی کتابوں سے روایت کرتا تھا۔ وکیع کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن اسامہ (ابو اسامہ) کو دوسروں کی کتاب عاریتاً لینے سے منع کیا۔ اس نے اپنی لکھی ہوئی کتابیں دفن کر دی تھیں۔ الازدی نے اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ صـ۳۰۲)

ابن نمیر کا کہنا ہے کہ ابو اسامہ نے جانتے بوجھتے عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم کو عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صـ ۲۹۵/۲۹۶)

یہ روایت عقلی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔ آخر عمر رضی اللہ عنہ اگر منوں مٹی کے نیچے سے دیکھ سکتے تھے تو دوپٹہ کی آڑ کیا آڑ تھی۔

رُوح کے بدن میں واپس لوٹائے جانے کی غلط روایات

(۱) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منسوب روایت کہ ہر مرنے والے کی روح سوال و جواب سے پہلے اس کے جسد میں لوٹا دی جاتی ہے۔ (وتعاد روحہ فی جسدہ.....) رواہ احمد۔ مشکوٰۃ صـ۱۴۲۔ یہ روایت بھی ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

سند یوں ہے: عن احمد بن حنبل عن ابی معاویہ عن الاعمش عن منہال بن عمرو عن زاذان عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ

اس روایت میں بھی شیعہ زاذان ہے جس کو سلمہ بن کہیل ابو البختری سے بھی کمتر سمجھتے ہیں اور دوسرا اُس کا شاگرد منہال بن عمرو ہے۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد احمد بن حنبل کہتے تھے کہ ابو بشر مجھ کو منہال سے زیادہ بھلا لگتا ہے اور اس ابو بشر جعفر بن ایاس کو شعبہ نے ضعیف کہا ہے۔ ابن معین منہال کی شان گراتے تھے۔ حاکم نے کہا کہ یحییٰ بن القطان اس کو ضعیف گردانتے تھے اور ابو محمد بن حزم بھی اس کو ضعیف کہتے تھے اور اس کی اس براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی روایت کو رد کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صـ ۳۱۹ و ۳۲۰ و میزان الاعتدال جلد ۳ صـ۲۰۴)

معلوم ہوا کہ مرنے والے کے دنیاوی جسم میں روح کا واپس لوٹایا جانا غلط ہے۔ دراصل مرنے والے کے اس دنیا اور اس کے متعلقات سے سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں یہی بات قرآن فرماتا ہے وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المؤمنون آیۃ ۱۰۰)

عذاب و راحت ہے کہ جو بھی احوال مرنے والے پر گزرتے ہیں وہ عالمِ برزخ میں گزرتے ہیں اس دنیا میں نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح

واپس لوٹا دیتا ہے اور میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (ابوداؤد والبیہقی مشکوٰۃ ص۸۶) یہ روایت بھی قرآن کے خلاف اور ناقابلِ اعتبار ہے اور اس کی سند یوں ہے حدثنا محمد بن عوف نا المقری نا حیوۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبد اللہ بن قسیط عن ابو ہریرہؓ۔ اس روایت میں ابو صخر حمید بن زیاد ہے جس کو حاتم بن اسماعیل واہی کہتا ہے اس کو سیوطی، نسائی، ابن حماد اور احمد بن حنبل نے ضعیف بتایا ہے۔ (تہذیب التہذیب۔ جلد ۳ ص۴۲۔۴۲) دوسرا راوی ابو صخر کا استاد یزید بن عبد اللہ بن قسیط بھی ضعیف ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ربما اخطاء (کبھی کبھی خطا کرتا ہے) امام مالک کہتے ہیں لیس هناك یعنی ضعیف ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں قوی نہیں ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۳۴۲-۳۴۳) ابن تیمیہ کہتے ہیں ضعیف بھی ہے اور ابو ہریرہؓ سے اس کا سماع بھی نہیں ہے (القول البدیع ص۱۵۶ اور جلاء الافہام ص۲۲)

اس جرح کے بعد اس روایت کو ردِّ روح کے لئے دلیل بنانا کس قدر غلط ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام و درود ضرور پڑھتا ہے اس لئے آپ کی روح مستقل جسم کے اندر رہتی ہے، کیا خوب! گذر چکا ہے کہ روح ایک بار نکلنے کے بعد صرف قیامت کے دن ہی لوٹائی جائے گی۔

مُردہ بزرگوں کو دعا کیلئے وسیلہ بنانے کا شرک

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مشرکوں کا سب سے بڑا شرک یہ تھا کہ وہ مُردوں کو اپنا سفارشی اور دعاؤں کا وسیلہ بنا کر پوجتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو سختی سے ڈانٹا اور اس فعل شنیع سے منع کیا لیکن کاش کلمہ گو اصحاب کو (دعا کیلئے وسیلہ بنانے والوں) کو یہ بھی خبر ہوتی کہ عمر بن خطابؓ نے نبیؐ کی وفات کے بعد ان کو دعا کیلئے وسیلہ نہیں بنایا اور نہ ہی نبیؐ کی قبر پر گئے۔ بلکہ عباس ابن عبد المطلب کو دعا کے لئے وسیلہ بنایا۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْنَ۔ (بخاری ص۱۳۷ جلد ۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ جب قحط پڑتا تھا تو عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دعا کرواتے تھے اور کہتے تھے کہ یا الٰہا ہم (پہلے) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری طرف (دعا کے لئے) وسیلہ بناتے تھے اور تو بارش برساتا تھا (اب جبکہ وہ ہم میں نہیں ہیں) ہم اپنے نبیؐ کے چچا کو (دعا کے لئے) وسیلہ بناتے ہیں۔ مالک بارش بھیج۔ پھر بارش ہوتی۔ (بخاری جلد ۱ ص۱۳۷)

اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جو قحط "عام الرمادۃ" (راکھ کا سال) کے نام سے موسوم ہے ۱۸ھ میں گذرا ہے اُس کے واقعہ کی تفصیل ابو صالح السمان جو عمر فاروقؓ کے خازن تھے، یوں بیان کرتے ہیں:

فَلَمَّا صَعِدَ عُمَرُ مَعَ الْعَبَّاسِ الْمِنْبَرَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا تَوَجَّهْنَا اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ وَصِنْوِ اَبِيْهِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ ثُمَّ قَالَ قُلْ يَا اَبَا الْفَضْلِ فَقَالَ الْعَبَّاسُ اَللّٰهُمَّ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُكْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ بِيَ الْقَوْمُ اِلَيْكَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ وَهٰذِهٖ اَيْدِيْنَا اِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِيْنَا بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ فَاَرْخَتِ السَّمَاءُ شَآبِيْبَ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتّٰى اَخْصَبَتِ الْاَرْضُ (حاشیہ بخاری جلد ۱ ص۱۳۷)

ترجمہ: پس جب عمر رضی اللہ عنہ عباسؓ کے ساتھ منبر پر چڑھے تو عمر فاروقؓ نے کہا: اے مالک ہم تیرے نبیؐ کے چچا کے ذریعہ جو اُن کے باپ کے بھائی ہیں تیری طرف رُخ کرتے ہیں تو اے مالک ہمارے لئے پانی برسا اور ہمیں نا اُمید نہ کر۔ پھر انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابو الفضل اب آپ دعا کریں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مالک تیری

کوئی بلا نازل نہیں ہوتی مگر گناہ کی وجہ سے اور وہ دُور نہیں ہوتی مگر توبہ سے۔ اور اس وقت قوم نے تیرے نبیؐ کی نگاہ میں میرے مقام[1] کی وجہ سے تیری بارگاہ میں مجھے ذریعہ بنایا ہے تو اے مالک یہ گناہ آلود ہاتھ تیری بارگاہ میں اُٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیرے سامنے جھکی ہوئی ہیں بارِ الٰہا ہم پر بارش برسا۔ پس آسمان نے پہاڑوں جیسے دَہانے کھول دیئے اور زمین جی اُٹھی (حاشیہ بخاری جلد اص ۱۳۷) آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فضیلت والی ذات کونسی ہے جس کا مرنے کے بعد دعا میں وسیلہ اختیار کیا جائے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ دین کو سمجھنے والا کون ہو سکتا ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ نبیؐ کی قبر پر جا کر نہ تو ان کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں اور نہ دُعاءِ استسقے کے وقت بلکہ نبیؐ کے چچا عباسؓ جو دنیا میں زندہ تھے اُن کو دعا کیلئے وسیلہ بناتے ہیں وہ دعا کرتے ہیں اور مالک بارش برساتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کسی کے حق کا واسطہ دینا جائز نہیں

جن لوگوں نے وسیلہ کے نام سے بزرگانِ دین کی استعانت اور انبیاء اور اولیاء سے استغاثہ جائز کر رکھا ہے انہوں نے قرآن کے لفظ وَسِیلہ (بہ معنیٰ قُرب) کو اُردو کے لفظ وسیلہ (بہ معنیٰ ذریعہ) کا مترادف سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ وسیلہ سے "تقرب" مُراد ہے۔ مسلم کی روایت ہے:

عَنْ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوٰۃً صلی اللہ علیہ بہا عشراً ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانہا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبدٍ من عباد اللہ وارجوان اکون انا ہو فمن سال لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ (رواہ مسلم)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمروؓ ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اذان دینے والے کو اذان دیتے ہوئے سُنو تو وہی کلمات کہو جو وہ کہہ رہا ہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو۔ کیونکہ یہ وسیلہ جنت کا وہ مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں صرف ایک بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ میں وہ بندہ ہوں۔ سُن لو جس نے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ وسیلہ مانگا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ وسیلہ جنت میں بلند ترین مقام کا نام ہے۔

اور بخاری کی روایت یوں ہے:

عَنْ جابر بن عبد اللہؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یسمع النداء۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ۔ (بخاری)

ترجمہ: جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اذان سُن کر یہ کہا کہ اے اللہ اس پوری پوری پکار کے رب اور ہمیشہ باقی رہنے والی نماز کے مالک عطا فرما محمدؐ کو وسیلہ اور فضیلت، اور مبعوث فرما اُن کو اُس مقام محمود پر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے (تو) ایسے کہنے والے کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی (بخاری جلد اص ۸۶)

پس معلوم ہوا کہ "وسیلہ" سے مراد "قُربِ الٰہی" ہے اور اس سے کسی کی ذات کو اللہ کے حضور وسیلہ بنانا مقصود نہیں۔ علامہ آلوسی "تفسیر روح المعانی" کے مصنف نے بڑی تفصیل سے اس بات پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ:

---

[1] کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعظمہ ویکرمہ بعد اسلامہ۔ (اُسد الغابہ)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبولِ اسلام کے بعد ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

الاستعانة بمخلوق وجعله وسيلة بمعنى طلب الدعاء منه لا شك فى جوازه ان كان المطلوب منه حيًا واما اذا كان مطلوب منه ميتاً او غائباً فلا يستريب عالم انه غير جائز وانه من البدع التى لم يفعلها احد من السلف ولم يروعن احدٍ من الصحابة رضى الله عنهم وهم احرص الخلق على كل خير انه طلب من ميت شيئًا۔ (روح المعانى جلد ۶ ص ۱۲۵)

ترجمہ: کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ دعا کرے۔ اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے بشرطیکہ جس سے درخواست کی جا رہی ہو وہ زندہ ہو۔ دوسری طرف میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں ہے اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے نہیں کیا۔ صحابہ کرام رض سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحبِ قبر سے کچھ طلب کیا ہو۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۶ ص ۱۲۵)

یہی بات امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ سے ثابت ہے ابوالحسین قدوری اپنی فقہ کی کتاب المسمیٰ "بشرح الکرخی" کے باب الکراہیۃ میں لکھتے ہیں کہ:

قال بشر بن الوليد حدثنا ابو يوسف قال ابو حنيفة لا ينبغى لاحد ان يدعو الله الا به واكره ان يقول بحق خلقك۔ وهو قول ابى يوسف قال ابو يوسف اكره ان يقول بحق فلان او بحق انبيائك ورسلك وبحق البيت الحرام والمشعر الحرام۔ قال القدورى۔ المسئلة بخلقه لا تجوز لانه لاحق للخلق على الخالق فلا تجوز وفاقا۔

ترجمہ: بشر بن ولید کہتے ہیں کہ مجھ سے امام ابویوسفؒ نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ کسی کیلئے اللہ تعالیٰ سے بجز اس کی ذات اور صفات کے حوالے کر دعا کرنا جائز نہیں ہے اور میں ناجائز سمجھتا ہوں کوئی یوں کہے کہ بحق تیری مخلوق کے اور یہی قول ابویوسفؒ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بھی ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ بحق تیرے نبیوں کے یا بحق تیرے رسولوں کے یا بحق بیت الحرام یا بحق مشعر الحرام۔ اسکے بعد امام قدوری کہتے ہیں کہ خدا سے اسکی مخلوق کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی مخلوق کا بھی خالق پر کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اسے ادا کرے۔ یہی بات احناف کے مسلک کی سب سے معتبر کتاب ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے اسکے الفاظ یہ ہیں:

ويكره ان يقول فى دعائه بحق فلان او بحق انبيائك ورسلك لانه لاحق للمخلوق على الخالق۔ (هدايه جلد ۴ ص ۵۹ مطبوعہ)

ترجمہ: اور جائز نہیں کہ کوئی اپنی دعا میں یوں کہے کہ بحق فلاں۔ یا اپنے انبیاء اور رسولوں کے حق کے طفیل یا صدقے میں کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ کہنا بھی:۔ " اللهم اسألك بحق فلان عبدك او بجاهه او حرمته او نحو ذالك مكروه كراهة تحريم عند جميع متون الحنفية وهى كالحرام فى العقوبة بالنار عند محمد رح "

ترجمہ:۔ اے اللہ میں تجھ سے فلاں بندے کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ اس کے جاہ کے واسطے سے یا اس کی حرمت کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں، مکروہ تحریمی ہے اور یہ بات احناف کی ساری کتابوں کے متنوں میں لکھی ہوئی ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک یہ کہنا ایسا حرام ہے کہ اس پر آگ کا عذاب ہوگا۔ (سیف ... صیانۃ الانسان ص ۳۱)

معلوم ہونا چاہیئے کہ "کرہ" کا لفظ حدیث اور عبارات سلف میں مکروہ تنزیہی سے لیکر حرام تک کیلئے استعمال ہوتا تھا اور یہاں مکروہ تحریمی کے لئے آیا ہے۔

اِن سارے فتوؤں کے باوجود معلوم نہیں کیوں بعض حضرات نے یہ عبارت بے دلیل لکھ دی ہے کہ:۔

" البتہ بحرمت فلاں دعا مانگنے میں کوئی کلام نہیں یہ سب کے نزدیک جائز ہے"۔ (جواہر القرآن جلد ۲ صفحہ ۶۳۷)

اور کیا اس ظلم کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے جو ان نام نہاد گروہ صوفیائے اسلام پر ڈھایا ہے۔ ہر دعا سے پہلے وہاں

"حقوق" کا ایک سلسلہ شروع کر دیتے ہیں اور اس کا نام اُنہوں نے "شجرہ شریف" رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی "دھونس" کا یہ انداز بھی خوب ہے۔

افسوس کہ آج اللہ تعالیٰ کو کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دلایا جاتا ہے کبھی کسی ولی کا اور کبھی کسی پیر کا۔ اور قرآن کی وسیلہ والی آیت کو لوگوں نے اردو زبان کے وسیلہ کے معنی میں ڈھال کر دعاؤں میں اللہ کے نیک بندوں کی ذات کو وسیلہ بنانے کا مذموم طریقہ ایجاد کر لیا ہے۔ ہر چند کہ سارے مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں وسیلہ سے مراد اللہ کا تقرب ہے اور وہ ایمان اور نیک اعمال ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔ آیت یہ ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؁ (المائدہ ۵، ۳۵)

ترجمہ : اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو، اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (آیت ۳۵ سورۃ المائدہ)

قرآن کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں "وسیلہ" سے قربت اور تقرب مراد ہے اور وہ ایمان، تقوی اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہی ایمان و عمل کا وسیلہ ہی وہ وسیلہ ہے جس کے حق ہونے پر سب متفق ہیں کیونکہ یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ انْطَلَقَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتّٰى اَوَاهُمُ الْمَبِيْتُ اِلٰى غَارٍ فَدَخَلُوْهُ فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ فَقَالُوْا اِنَّهٗ لَا يُنْجِيْكُمْ مِّنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ اِلَّا اَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ تَعَالٰى بِصَالِحِ اَعْمَالِكُمْ ... الخ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم سے پہلے لوگوں میں تین شخص سفر کر رہے تھے یہاں تک کہ رات آگئی اور رات گذارنے کے لئے وہ ایک غار میں داخل ہو گئے اور پہاڑ کی چٹان اوپر گری اور اس نے غار کے منہ کو بند کر دیا۔ ان تینوں نے آپس میں کہا کہ اس مصیبت سے تمہیں کوئی چیز نجات دلوانے والی نہیں ہے الا یہ کہ تم اپنے نیک اعمال کے ذریعہ سے دعا کرو۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ بار الٰہا میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور جب تک میں انکو کھلا پلا نہ لوں نہ تو بال بچوں کو کھلاتا تھا اور نہ جانوروں کو۔ اور ایک روز درخت کی تلاش میں بہت دور نکل گیا اور جب واپس آیا تو دونوں سو چکے تھے میں نے دودھ دوہا تاکہ ان کو پلاؤں مگر ان کو سوتا ہوا پایا۔ میں نے نہ تو یہ پسند کیا کہ ان کو بیدار کروں اور نہ یہ ہی کہ ان سے پہلے کسی اور کو کھلاؤں اس طرح میں پیالہ ہاتھ میں لئے ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا اور میرے بچے بھوک سے بے تاب ہو کر میرے قدموں میں لوٹتے رہے یہاں تک کہ فجر ہو گئی اور وہ دونوں جاگ اٹھے اور دودھ پی لیا اے مالک ! اگر یہ میں نے تیری رضا جوئی کے لئے کیا ہو تو اس چٹان کی مصیبت کو ہم سے ہٹا دے، چٹان کچھ ہٹ گئی۔ مگر اتنی نہیں کہ وہ باہر نکل سکیں۔ اب دوسرے نے کہا کہ مالک میرے چچا کی بیٹی تھی جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز تھی۔ میں نے اس سے برے کام کا ارادہ کیا مگر وہ راضی نہ ہوئی۔ وقت گذرتا گیا یہاں تک کہ اس پر قحط سالی کا سخت وقت پڑا۔ وہ میرے پاس مدد مانگتی ہوئی آئی۔ میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ میرے ساتھ برا کام کرے گی، وہ راضی ہو گئی لیکن جب میں نے اس پر قابو پا لیا تو کہنے لگی کہ اللہ سے ڈر اور مہر کو ناجائز طریقہ پر نہ توڑ میں اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ حالانکہ وہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھی۔ میں نے وہ دینار بھی اس کے پاس رہنے دیئے اور واپس نہیں لئے۔ اے مالک ! اگر یہ سب کچھ میں نے تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دے۔ چٹان کچھ اور ہٹ گئی مگر ابھی تک باہر نکلنا ان کے لئے ممکن نہ تھا تیسرے شخص نے کہا کہ بار الٰہا ! میں نے کچھ مزدوروں کو اجرت

اور سب کو اُن کی اُجرتیں دے دیں لیکن ایک مزدور اپنی مزدوری لئے بغیر چلا گیا۔ میں نے اُس کی اجرت کو کام میں لگایا اور بہت سا مال نفع میں حاصل ہوا۔ کچھ مدّت کے بعد وہ مزدور آ گیا۔ اور اُس نے مجھ سے کہا کہ اے بندۂ خدا میری مزدوری مجھے دیدے۔ میں نے اُس سے کہا کہ یہ سب کچھ جو تو دیکھ رہا ہے، یہ اونٹ یہ گائیں، یہ بھیڑیں، یہ غلام۔ یہ سب تیری ہی اُجرت ہے۔ وہ بولا اللہ کے بندے مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے جواب دیا۔ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا (بلکہ حقیقی بات یہی ہے) پس اس نے سب کچھ لے لیا۔ اور ہنکا لے گیا ایک چیز بھی نہ چھوڑی۔ اے اللہ اگر میں نے یہ سب کچھ تیری رضا کے لئے کیا ہو تو ہماری اس مصیبت سے ہمیں نکال۔ پس چٹان ہٹ گئی، اور وہ تینوں باہر نکل کر چل دیئے۔ (بخاری اور مسلم)

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان و عمل کا واسطہ دینا صحیح ہے کسی کی ذات یا اس کے عملوں کا واسطہ دینا صحیح نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُن کی ذات کو وسیلہ بنانا اس سلسلہ میں بھی بے حساب گمراہیاں اُمت کے اندر رواج پا گئی ہیں۔ قرآن کریم کی آیت: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (سورۃ النساء آیۃ ۶۳)

ترجمہ:۔ اور اگر یہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرنیکے بعد تیرے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور تو بھی اُن کے واسطے استغفار کرتا تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ (سورۃ النساء آیت ۶۳)

اس آیت سے بعض ناواقف یہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح زندگی میں لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استغفار کروانے آیا کرتے تھے اُسی طرح اب ان کی وفات کے بعد قبر پر آ کر یہی کام کرنا چاہیئے مگر کسی ایک صحابی سے بھی صحیح روایت میں یہ بات ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر دُعا کی درخواست کی ہو۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قحط کے زمانے کا وہ واقعہ جو پچھلے اوراق میں گزر چکا ہے اس کی روشن مثال ہے۔ صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم پر کیسے کیسے سخت وقت آئے ہیں۔ ابو بکر رضؓ کو فتنۂ ارتداد کا سامنا کرنا پڑا۔ عمر فاروق رضؓ کو قحط کی مصیبت نے گھلا دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باغیوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ باغیوں کے حصار کو توڑ کر کبھی کبھی مسجدِ نبویؐ میں وہ آئے ضرور، مگر قبرِ نبویؐ پر جا کر دُعا کی درخواست نہیں کی جنگِ جمل و صفین میں کونسی مصیبت ہے جس سے اُمت دوچار نہیں ہوئی۔ مگر نہ عائشہ رضی اللہ عنہا قبرِ نبویؐ پر دعا کی درخواست کیلئے گئیں، اور نہ علی رضی عنہ۔

اسی طرح اصحابِ قبور سے توسل کی تائید میں بعض اور روایات بھی لائی جاتی ہیں لیکن یہ ساری روایتیں بے اصل اور بناوٹی ہیں (۱) پہلی روایت:۔ جاء اعرابی الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمی بنفسه علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال جئت لتستغفر لی فنودی من القبر انه قد غفر لك۔

ترجمہ:۔ ایک بدّو قبرِ نبویؐ کے پاس آیا، اور اپنے آپ کو قبر پر گرا دیا اور کہا کہ میں آپؐ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپؐ میرے لئے استغفار کریں۔ پس قبرِ نبویؐ سے آواز آئی کہ تجھے معاف کر دیا گیا۔ یہ روایت بالکل موضوع ہے۔ اس میں ایک راوی ہیثم بن عدی طائی ہے جسے محدثین نے کذّاب اور وضّاع (جھوٹا اور روایتیں گھڑنیوالا) کہا ہے۔ یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کذّاب ہے جھوٹی روایتیں بنایا کرتا تھا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ وہ کذّاب ہے۔ (لسان المیزان۔ جلد ۶ صفحہ ۲۰۹)

(٢) دوسری روایت: عثمان بن حنیفؓ سے روایت کی جاتی ہے کہ ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ ان یعافینی ... اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک ... بنبیک صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ ۔ (ترجمہ:۔) عثمان بن حنیفؓ سے روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرد نابینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینا کردے .... پھر ان صاحب نے کہا کہ پروردگار میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبیؐ نبی الرحمت کے ذریعہ رُخ کرتا ہوں۔

یہ واقعہ بعض روایتوں میں آپؐ کی زندگی کا ہے اور بعض میں آپؐ کی وفات کے بعد کا لیکن اس کے ہر ایک طریق میں ابو جعفر ہے جس کو امام مسلمؒ وضّاع (حدیثیں گھڑنے والا) بتاتے ہیں (خطبہ صحیح مسلم ص۵ ج۱) امام نووی کہتے ہیں کہ ابو جعفر المدنی وضّاع ہے (شرح مسلم نووی ص۱۷ جلد۲) اسی طرح امام احمد بھی اس کو وضّاع کہتے ہیں (میزان الاعتدال جلد۲)
دوسری طرف اس غلط روایت میں بھی ذات کی بجائے دعا کا وسیلہ ہے۔

آدمؑ کا نبیؐ کی ذات کو وسیلہ بنانے کی غلط روایت

غضب تو یہ ہے کہ ایک ایسی روایت بھی لائی جاتی ہے جس میں آدم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہو جانے کا قصہ بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ پھر ان کی توبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرنے پر قبول ہوئی۔

لما اذنب آدم الذنب الذی اذنبہ رفع راسہ الی السماء فقال اسئلک بحق محمد الا غفرت لی ... الخ

ترجمہ: جب آدمؑ سے گناہ سرزد ہوگیا تو انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر محمدؐ کے وسیلے سے مغفرت کی دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ "یہ محمدؐ" کون ہیں؟ آدمؑ نے جواب دیا کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور وہاں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا پایا تو میں سمجھ گیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے اس سے زیادہ عظمت والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ آدم تم نے سچ کہا۔ وہ نبیِ آخر ہیں اور وہ تمہاری ہی اولاد سے ہوں گے اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔

اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" کہ اے نبیؐ اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ (فضائل ذکر فصل سوم ص۱۱۴) اللہ اللہ ۔ یہ اللہ اور رسولؐ پر کس قدر شدید بہتان ہے۔
قرآن میں تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کے سلسلہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے۔ فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (البقرہ آیۃ ۳۷) ترجمہ:۔ پس سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں، پھر متوجہ ہوگیا اللہ اس پر بیشک وہی ہے توبہ کو قبول کرنے والا مہربان (البقرہ آیت ۳۷)
اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ہم نے آدم کو توبہ کی دعا سکھائی اور اس کے برعکس یہ روایت کہتی ہے کہ یہ آدم علیہ السلام کا اپنا اجتہاد تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو یہ دریافت کرنا پڑا کہ تم نے آخر محمدؐ کا وسیلہ کیسے پکڑا!
مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ دعا جو اللہ تعالیٰ نے سکھائی اور جس کے ذریعہ توبہ قبول ہوئی قرآن میں بیان کردی گئی ہے اور وہ یہ ہے:۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الاعراف آیۃ ۲۳) ترجمہ:۔ آدمؑ و حواؑ نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔ (الاعراف۔ آیت ۲۳)
دوسرا ظلم اس روایت میں یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ٹھیرایا گیا ہے حالانکہ قرآن فرماتا ہے کہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات۔ آیۃ ۵۶)

ترجمہ:- میں نے نہیں پیدا کیا جن والنس کو مگر اپنی بندگی کے لئے۔ (الذاریات۔ آیت ۵۶)
ثابت ہوا کہ تخلیق کائنات کی غایت بندگیٔ الٰہی ہے نہ کہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ خود ذات نبویؐ کو اللہ کی بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ فن حدیث کے لحاظ سے بھی اس روایت کو ہر محدث نے موضوع (گھڑی ہوئی) بتایا ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ہے اور اس پر یہ حکم لگایا گیا ہے۔
(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۰۶)

کسی خاص قبر کی زیارت کا غلط عقیدہ

کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مزار پر جاتے ہیں تو اس لئے جاتے ہیں کہ آپ کے مزار کی زیارت کی بڑی فضیلت ہے۔ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ عام قبروں کی زیارت تو مستحب ہے مگر کسی خاص قبر کی زیارت حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے سلسلہ میں جتنی بھی روایتیں ہیں اُن کے متعلق ائمہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ وہ "موضوع" یعنی گھڑی ہوئی ہیں ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے (پھر بھی نادان کہتے ہیں کہ اگر قبر نبویؐ پر جانا ضروری نہ ہوتا تو حج کے موقع پر مدینہ کیوں جایا جاتا ہے۔ کاش ان کو کوئی بتائے کہ حج مکہ میں ہوتا ہے مدینہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ رہا قبر نبویؐ کی زیارت کو جانا تو یہ کام نہ تو صحابہؓ نے کیا نہ تابعینؒ نے، نہ باہر سے آنے والے مجاہدین نے۔ افسوس کہ تم نے جھوٹی روایتوں کے ذریعہ قرآن، حدیث، اور اجماع صحابہؓ کو جھٹلا دیا) مثال کے طور پر اسی روایت کو لیجئے جو سب سے زیادہ مشہور ہے:-

قبر نبویؐ کی زیارت کی فضیلت کی بناوٹی روایتیں

(۱) مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ
(رواہ البزار فی مسندہ)

ترجمہ:- جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کیلئے میری شفاعت لازم ہو گئی۔ (رواہ البزار)
سند یوں لائے ہیں، حدثنا قتیبہ حدثنا عبد اللہ بن ابراھیم حدثنا عبد الرحمٰن بن زید عن ابیہ عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔

یہ روایت ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف اور منکر ہی نہیں بلکہ موضوع کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے اس کے اندر عبداللہ بن ابراہیم ہے جو ابو عمرو الغفاری کا بیٹا ہے اور یہ ایسا راوی ہے جو منکر روایتیں بیان کرتا تھا اور بعض ائمہ حدیث نے اس کو کاذب (جھوٹا) اور وضاع الحدیث (جھوٹی روایتیں بنانیوالا) کہا ہے۔ امام ابوداؤد کا قول ہے کہ یہ شیخ (راوی) منکر الحدیث ہے۔ امام الدارقطنی کہتے ہیں کہ اس کی روایتیں منکر ہوتی ہیں اور امام الحاکم کہتے ہیں کہ عبداللہ ثقات (سچے) راویوں کے نام سے گھڑی ہوئی روایتیں بیان کرتا ہے اور اس کے دوسرے ہم سبق ان جھوٹی روایتوں کو بیان نہیں کرتے۔ خود امام البزار اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابراہیم کی اس روایت اور دوسری روایتوں کو کوئی دوسرا بیان نہیں کرتا۔ (میزان الاعتدال۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۰-۲۱)

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ احادیث کے جمع کرنے والے امام کبھی کبھی صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ موضوع ساری قسم کی روایتوں کو اُمت کی معلومات کے لئے لکھ دیتے ہیں، اور اس کے بعد جو ان روایتوں کی حیثیت ہوتی ہے اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ ظلم تو وہ کرتے ہیں جو روایت تو لکھ دیتے ہیں مگر جو تبصرہ محدث نے کیا تھا اُس کو چھوڑ جاتے ہیں اس طرح سے اُمت کی گمراہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ زیارت قبر نبویؐ کے سلسلہ

کی ساری روایتوں کا یہی حال ہے اور ان دوسری روایتوں پر بحث آگے آرہی ہے۔ بلال حبشیؓ کے شام سے مدینہ منورہ کی طرف قبر نبویؐ کی زیارت کے لئے سفر والی روایت بھی ناقابلِ اعتبار ہے کیونکہ یہ اثر بھی غریب اور منکر ہے۔ اس کی اسناد مجہول ہے اور اس میں اِنقطاع ہے۔ اس میں محمد بن الفیض الغسانی کا ابراہیم بن محمد سے تفرد ہے اور ابراہیم بن محمد مجہول ہے۔ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھا اور کیا اس کی حیثیت تھی۔ اور یہی حال عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبر نبویؐ پر سلام پہنچانے والے اثر کا بھی ہے غلط اور بناوٹی۔ اس میں رباح بن بشیر راوی مجہول ہے۔ اور عبداللہ بن جعفر ضعیف ہے اور حاتم بن وردان نے کبھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے ملاقات نہیں کی۔

قبر نبیؐ کے وسیلہ سے بارش

ایک غلط روایت یہ بنائی گئی ہے کہ اہل مدینہ پر شدید قحط پڑا۔ لوگوں نے عائشہؓ سے شکایت کی تو عائشہؓ نے کہا کہ نبیؐ کی قبر کے اوپر روشندان بنادو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے۔ پس لوگوں نے یہی کیا اور ایسی بارش ہوئی کہ اس کی زرخیزی سے سبزہ لہلہا اٹھا اور اونٹ چربی کی زیادتی سے پھول گئے اور اس سال کا نام "عام الفتق" پڑ گیا۔ (سنن دارمی ص ٢٥ ۔ مشکوٰۃ ص ٥٤٥)

اِس روایت کی سند یوں ہے۔ حدثنا ابوالنعمان ثنا سعید بن زید بن زید ثنا عمرو بن مالک النکری ثنا ابوالجوزاء۔ اس روایت میں متعدد کمزوریاں ہیں (١) سعید بن زید کو نسائی نے کہا ہے کہ قوی نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ضعیف ہے (میزان الاعتدال جلد ٢ ص ٣٨١) (٢) ابوالجوزاء کا عائشہؓ سے سماع نہیں ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں "فی اسنادہ نظر"۔ ثابت ہوا کہ یہ روایت منقطع بھی ہے اور ضعیف بھی۔ (التاریخ الکبیر للبخاری ص ١٦ جلد ٢ قسم ٢۔ میزان الاعتدال جلد ١ ص ١٢٩۔ تہذیب التہذیب جلد ١ ص ٣٨٤)

بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بزرگوں کی قبروں پر اس لئے حاضری دیتے ہیں کہ وہاں اللہ کے نیک بندے دفن ہیں اور وہاں دُعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں تو یہ بات بے اصل ہے اور اس چیز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر پر جمع ہونے سے منع کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ اَوْ بَیْتِیْ عِیْدًا۔

ترجمہ: میری قبر یا میرے گھر کو میلہ کی جگہ نہ بناؤ۔ (رواہ ابو یعلی وسعید بن منصور)

ایک طرف یہ حکم ہے، رسول اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر کے لئے اور دوسری طرف اس نام نہاد اُمت محمدیہ کے عرس اور میلے ہیں، نیازیں اور پھیرے ہیں، دعائیں اور فریادیں ہیں، دُہائیاں اور پکاریں ہیں۔ مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا ایک عبرت انگیز واقعہ بھی سُن لیا جائے۔

رای الامام ابوحنیفۃ من یاتی القبور لاھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثر انی اتیتکم وناد یتکم من شھور ولیس سوالی الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفۃ بقول یخاطبہ بھم۔ فقال ھل اجابوا لک؟ قال لا۔ فقال لہ سحقا لک وتربت یداک۔ کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرء وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (غرائب فی تحقیق المذاھب)

ترجمہ:- امام ابو حنیفہؒ نے ایک شخص کو کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آکر سلام کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے قبر والو! تم کو کچھ خبر بھی ہے اور کیا تم پر اس کا کچھ اثر بھی ہے کہ میں تمہارے پاس مہینوں سے آرہا ہوں اور تم سے میرا سوال صرف یہ ہے کہ میرے حق میں دُعا کر دو۔ بتاؤ! تمہیں میرے حال کی کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو۔ ابو حنیفہؒ نے اس کا یہ قول سن کر اس سے دریافت کیا کہ قبر والوں نے کچھ جواب دیا؟ وہ بولا نہیں دیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے یہ سن کر کہا کہ تجھ پر پھٹکار۔ تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہو جائیں تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب ہی دے سکتے ہیں اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہی ہیں اور نہ آواز ہی سن سکتے ہیں۔ پھر ابو حنیفہؒ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (فاطر ۲۲) کہ اے نبی تم ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں کچھ نہیں سنا سکتے۔ (غرائب فی تحقیق المذاہب)

حنفی فقہ و علم کلام کی ساری معتبر کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ مُردے نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں مثلاً وکذالک الکلام والدخول لان المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ (ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۱۱۷)

یعنی اسی طرح اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں تم سے کلام نہ کروں گا یا یوں کہ میں تمہاری ملاقات، اور زیارت کو نہ آؤں گا پھر مرجانے کے بعد اس کی لاش سے اس نے کلام کیا یا قبر کی زیارت کی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس سے روک دیتی ہے۔ (شامی جلد ۳ صفحہ ۱۱۷)

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں بھی اسی طرح ہے:-

اذا حلف لا یکلمہ اقتصر علی الحیاۃ فلو کلمہ بعد الموت لا یحنث لان المقصود منہ الافہام والموت ینافیہ لانہ لا یسمع ولا یفہم۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۰۴ جلد ۴ سطر ۲)

یعنی اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا تو یہ زندگی کے ساتھ محدود ہے پس اگر بعد موت (لاشے سے) کلام کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ اس لئے کہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس سے روک دیتی ہے کیونکہ میت نہ سن سکتی ہے نہ سمجھ سکتی ہے (فتح القدیر صفحہ ۱۰۴ جلد ۴ سطر ۲)

اسی طرح یہ فقہ کا اصول ہے۔ لَا نِزَاعَ اَنَّ الْمَیِّتَ لَا یَسْمَعُ۔ ترجمہ:- اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ میت قوت سماع سے قطعی محروم ہے۔ (شرح المقاصد جلد ۲ صفحہ ۳۳، شرح المواقف جلد ۴ صفحہ ۱۶۳)

معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ماننے والے اماموں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مُردے نہیں سنتے امام کے ماننے والے..... فقہی مسائل میں تو امام کے معمولی سے معمولی مسئلہ میں اختلاف برداشت نہیں کر سکتے، حالانکہ فقہی غلطیاں قابلِ معافی ہو سکتی ہیں لیکن عقائد کے معاملہ میں امام کی بات کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ ہر چند کہ عقیدہ پر ہی جنت و جہنم کا انحصار ہے اور یہ سماعِ موتیٰ کا عقیدہ تو شرک کی جڑ ہے۔

جو قبر بھی پوجی جائے وہ بت ہے

قرآن و حدیث کی ان ساری واضح تشریحات کے بعد بھی اگر اُمتِ مسلمہ میں آج اپنے اولیاء اللہ کے ساتھ وہی مشرکانہ عقیدت مندی پیدا ہوگئی ہے جو قومِ نوحؑ نے اپنے اولیاء وَدّ۔ سُواع۔ یغوث۔ یعوق۔ اور نسر کے ساتھ روا رکھی تھی تو تعجب کی بات کیا ہے؟ شیطان کو سب سے زیادہ دشمنی اس بات ہی سے تو ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح اپنا معبود مان لے جیسے اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

بتایا ہے۔ ذرا غو[illegible] بڑا ظلم اور کیا ہوگا [illegible] نے ہمیشہ قبر پرستی سے روکا اُسی کی "قبر" کو عبا[illegible] دیا گیا ہے۔ مسجد نبوی میں آپ دیکھیں گے کہ تہجد کا وقت ہے، اور لوگ ہاتھ باند[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ کئے کھڑے ہیں۔ کوئی آہستہ آہستہ رو رہا ہے، کوئی دُعائیں مانگ رہا ہے۔ اور اب تو چوری چھپے قبر کا طواف بھی کروایا جانے لگا ہے۔ یہ اُس نبی کی قبر کے ساتھ معاملہ ہے جس نے دعا کی تھی:۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِد۔ (رواہ امام مالک مرسلاً ورواہ بزار عن زید عن عطاء بن یسار عن ابی سعید خدری مرفوعاً)

ترجمہ:۔ عطاء بن یسار رح روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ اس کو پُوجا جائے، اللہ تعالیٰ کا غضب اُس قوم پر بھڑکتا ہے جو قوم اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتی ہے۔ (موطا)

اُمّ المومنین عائشہ رض کا کہنا ہے کہ اسی احتیاط کی وجہ سے قبرِ نبوی ص کو باہر کھلا نہیں چھوڑا گیا کہ کہیں وہ سجدہ گاہ نہ بنائی جائے۔

عَنْ عائشة قالت قال رسول الله صلى الله وسلم في مرضه الذى لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياءهم مساجد ولولا ذالك ابرز قبره غيرانه خشى ان يتخذ مسجداً۔ (بخاری ص۱۸۶)

ترجمہ:۔ عائشہ رض روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُس مرض میں جس سے اُٹھنا نصیب نہ ہوا، ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ عائشہ رض کہتی ہیں کہ یہی خوف نہ ہوتا کہ کہیں نبی ص کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے تو قبرِ نبوی ص کو باہر کھلا چھوڑ دیا جاتا۔ (بخاری ص۱۸۶)

جس بات کے لئے یہ ساری احتیاطیں اختیار کی گئی تھیں افسوس کہ وہی بات ہو کے رہی اور آج قبرِ نبوی بُری طرح پُوجی جا رہی ہے۔ کوئی اُس کا طواف کرتا ہے، اور کوئی اُس کی طرف کھڑے ہو کر آہ وزاری، کوئی اپنے سلام کے بعد جواب کا منتظر رہتا ہے، اور کوئی دوسرے کا سلام پہنچاتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ نبی ص اپنی قبر میں زندہ ہیں اور سُن رہے ہیں کیا عجب کہ جواب بھی دیں۔ کبھی یہ ظالم کہتے ہیں کہ سلام کا جواب میں نے خود سُنا ہے اور کبھی قبر سے باہر ہاتھ نکلوا کر اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور گواہی میں سارے مسجد کے لوگوں کو جن میں عبدالقادر جیلانی بھی شامل ہوتے ہیں پیش کرتے ہیں اور جب یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو مرنے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ اے نبی ص آپ بھی ان کو نہیں سُنا سکتے تو جواب ملتا ہے کہ ہاں! سُنانے (اسماع) کی نفی کی ہے۔ سُننے (سماع) کی نفی نہیں کی ہے اور جب ان کو بتایا جائے کہ (اسماع۔ سُنانا) تو اصل (جڑ) ہے۔ جب جڑ کی نفی ہو گئی تو اس کے مطابق سماع (سُننے) کی جو اصل کی فرع (شاخ) ہے، آپ سے آپ نفی لازم آئے گی تو ہکّا بکّا رہ جاتے ہیں۔

بہر حال آج کسی میں یہ قوت نہیں ہے کہ اُمت مسلمہ کو بزور اس بُرائی سے روک دے مگر اہلِ علم پر یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ وہ پوری بات واشگاف کہہ دیں کہ لوگو! اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا اقرار کرنے کے بعد بھی تم نے وہی مُشرکانہ اعتقادات باقی رکھے جو قومِ نوحؑ سے لے کر آج تک ہر مشرک قوم میں پائے جاتے رہے ہیں تو تم بھی بدانجامی سے نہ بچ سکو گے۔ اُن قوموں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کو مرجانے کے بعد بھی مرنے نہ دیا اور آج تم بھی اپنے نبیؐ اور دوسرے اللہ کے بندوں کے ساتھ مختلف بہانوں اور جھوٹی روایتوں کے ذریعہ یہی کام کر رہے ہو۔ تمہاری کتاب پُکار پُکار کر کہتی ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ (الانبیاء آیۃ ۳۴-۳۵)

ترجمہ:- ہمیشگی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی اِنسان کے لئے نہیں رکھی ہے۔ اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟ ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ (الانبیاء۔ آیت ۳۴-۳۵)

اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ (ترجمہ:- ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ کی ذات کے۔ (القصص) تمہارے نبیؐ کا ارشاد ہے کہ دوسرے انبیاء کی طرح مجھے بھی موت آئے گی اور جب موت کا وقت آتا ہے تو اُنؐ کی زبان مُبارک سے آخری کلمہ یہی نکلتا ہے کہ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى (بخاری ص ۹۳۹) لیکن تمہاری بدعقیدگی میں فرق نہیں آتا اور تم اِن کو قبر میں زندہ گردانتے ہو۔ افسوس!

حیات النبیؐ کا عقیدہ شرک کی جڑ ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سب سے پہلے جو مسئلہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُٹھا وہ یہی مسئلہ تھا کہ اللہ کے رسولؐ کو موت آگئی یا نہیں۔ آخر یہ مسئلہ کیسے نہ اُٹھتا جبکہ موت کے بعد دُنیاوی زندگی کا عقیدہ ہی تو شرک کی جڑ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسی وقت اس بات کا فیصلہ بھی ہو گیا اور صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ اب دُنیا میں زندہ نہیں ہیں اور سید اولیاء اللہ کے سردار ابو بکر صدیقؓ کی اس بات کے بعد کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پجاری تھا اس کو معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو موت آگئی اور جو اللہ تعالیٰ کو پوجتا تھا وہ جان لے کہ اللہ زندہ جاوید ہے! ت نہیں عمرؓ کو غم تھا کہ رسول اللہؐ وفات پا گئے اور میں کلالہ کے مسئلہ کے بارے میں پوری تفصیل دریافت نہ کر سکا۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کا فرمان، نبیؐ کا ارشاد، اور صحابۂ کرامؓ کا اجماع تمہارے سامنے ہے۔ مگر تم کہتے ہو کہ نہیں، نبیؐ اپنی قبر میں زندہ ہی نہیں بلکہ دُنیا میں آتے جاتے بھی رہتے ہیں۔ افسوس کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے "الٰہ" تراش لئے اور اُن کی بات نہ مانی۔ صحابۂ کرامؓ اپنے نبیؐ پر جان چھڑکتے تھے، اگر اُن کو خیال تک ہوتا کہ ان کے نبیؐ زندہ جاوید ہیں تو وہ کبھی ان کا خلیفہ منتخب نہ کرتے نہ اپنے نبیؐ کی تجہیز و تکفین کرتے نہ اُن کو قبر میں اُتارتے، نہ اجتہاد کی کوئی ضرورت پیش آتی، اور نہ رجال کی چھان بین، اور احادیث کی تحقیق میں محنت صرف کرنا پڑتی۔ جب بھی جس چیز کی ضرورت ہوتی قبر پر پہنچ کر دریافت کر لیتے ابو بکرؓ ارتداد کے موقع پر وہاں سے رہنمائی حاصل کرتے، عمرؓ قحط کے وقت، عثمانؓ فتنہ، اور عائشہؓ اور علیؓ جنگ جمل اور صفین کے موقع پر۔ دراصل یہ ظلم یوں ہوا کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد فن دینداری کے ماہروں نے اپنا پیشہ چمکانے کے لئے ہندوؤں کی طرح دیوتاؤں اور دیویوں کی فوج تیار کر کے اُن کے

ایک عظیم الشان دیو مالا کا تانا بانا بُن دیا۔ پھر اسلامی کاشی اور متھرا وجود میں آئے، اور مسلمان بیشوں اور مرلیوں نے جنم لیا۔ کھڑے پتھروں کی جگہ پڑے پتھروں نے قبروں کی شکل میں اپنے استھان بنائے اور درشن کا نام بدل کر "زیارت" رکھا گیا۔ پرنام کی جگہ سلام نے لے لی۔ ڈنڈوت نے سجدۂ تعظیمی کا جامہ پہنا۔ پھیروں کے بجائے طواف ہونے لگے۔ پرشاد تبرک بن گیا۔ بھجن نے قوالی کا روپ دھار لیا۔ اور یہ موجودہ "دین" وجود میں آیا۔ پھر ہزاروں قیدی بنے۔ لاکھوں کی عصمتیں برباد ہوئیں۔ لاتعداد لاشے تڑپے۔ نونہالوں کا خون چوس چوس کر یہ دھرتی سیراب ہوئی مگر اس نئے دین کی بہاروں کا ایک پھول نہ کھلایا۔

کوئی کہے یا نہ کہے، ہم اعلان کرتے ہیں کہ یہ دین ہمارا دین نہیں۔ یہ ایمان ہمارا ایمان نہیں ہم تو ایسے دین، ایسے ایمان کے جانی دشمن ہیں۔ ہم تو اُس سچے دین اور سچے ایمان کے قائل ہیں جو عبادات و معاملات، کردار و عمل، تہذیب و تمدن، تعلیم و ثقافت، سیاست و سیادت، صلح و جنگ۔ غرض زندگی کے ہر شعبہ کو اللہ کے رنگ میں رنگ دے۔ اور غیر اللہ کی بندگی کا ایک شعبہ بھی باقی نہ چھوڑے اور اگر یہ انقلاب زندگی میں رُونما نہ ہو تو سمجھ لو کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے:۔

(۱) یا تو ایمان کا اقرار کرنے والا کم عقل اور سفیہ ہے اور ایمان کے تقاضوں کی سمجھ ہی نہیں رکھتا

(۲) یا وہ منافق ہے کہ زبان سے تو اقرار کر رہا ہے مگر دل سے مان کر زندگی اور ماحول میں تبدیلی لانے پر تیار نہیں ہے وہ ایمان ہرگز ایمان نہیں ہے جس کے اثر سے انسان کے کردار و عمل میں اس کی صبح و شام میں انقلاب نہ آجائے۔ سچے ایمان ہی کو یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اس کی توحید کو قائم کرنے کے لئے سر بکف میدان میں اُتر کر باطل کو للکارے۔ پھر زمین کانپے سر اچھلیں۔ سینے چاک ہوں۔ آسمان دھوئیں سے بھر جائے اور جب زمین کو سکون ملے اور گرد چھٹے تو یہ معلوم ہو کہ حق اپنے وسائل کی کمی کے باوجود کامران ہے اور باطل پسپا اور بے حال ہمارے سامنے بھی ایک ہدف ہے۔ ہم اللہ کے بندوں کو برابر اسی ایمان کی طرف بلاتے رہیں گے چاہے ایک ہاتھ بھی ہماری حمایت میں نہ اُٹھے۔ اور ایک زبان بھی ہماری تائید کرنے پر تیار نہ ہو۔ انشاء اللہ۔ کیونکہ اسی طرح سے ذلت عزت میں، بے آبروئی آبرومندی میں، اور بزدلی جرأت میں بدل سکتی ہے۔ اور پھر یہ خراب و خستہ، ذلیل و رسوا اُمت دُنیا اور آخرت میں سرفرازی، کامرانی، اور تاجداری کی مستحق بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے۔ آمین۔

اس سلسلہ میں سردست ہمارے پیشِ نظر حسبِ ذیل کام ہیں:۔

(۱) گلی کوچوں، سڑکوں اور بازاروں میں اللہ واحد کی طرف بُلانا، اس کی بندگی کی دعوت دینا۔

(۲) گھروں، مسجدوں، اور محفلوں میں قرآن و حدیث کے درس کے ذریعہ لوگوں کو دینِ حق

کے تقاضوں سے واقف کرنا۔

(۳) تعلیم دین کا ایسا انتظام کرنا کہ ایک مسلمان اپنی استعداد کے مطابق اس سے فائدہ اُٹھاکر دینِ خالص پر چل سکے۔

(۴) تحریر کے ذریعہ دین کی خالص دعوت کو پھیلانا۔

(۵) سب سے بڑھ کر خود اپنی زندگی سے اس بات کی شہادت دینا کہ بندگی خالصتاً اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور اُس طریقہ پر جو سُنّتِ نبوی کا طریقہ ہے۔

(۶) اللہ کے ایسے بندوں کو تلاش کرنا جو ایک مالک کی بندگی پر جم جانے کا عزم رکھتے ہوں انہیں یکجا اور منظم کرنا اور پھر ان کو ساتھ لے کر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کی بازی کھیلنا۔

آخر میں ہم اُن حضرات سے جن تک ہماری یہ دعوت پہنچے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وُہ اس کو ہر طرح سے جانچیں اور پرکھیں گے، اور اگر حق پائیں گے تو ہمارا ساتھ دینے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر زندہ رہنے اور ایمان پر مرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قبرِ نبویؐ کی زیارت کی دوسری جھوٹی روایتیں

زیارتِ قبرِ نبویؐ کے سلسلہ میں جو روایات بھی بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب گھڑی ہوئی بناوٹی ہیں۔ لیکن ایک سوال بہرحال باقی رہ جاتا ہے کہ آخر ان بے شمار روایتوں کے لئے یہ ساری کاوشیں کیوں کی گئیں تو جواب صاف ہے کہ قرآن، حدیث اور تعامل صحابہؓ سے قبر پرستی کے لئے کوئی جواز ملنا ممکن نہ تھا اس لئے ان بناوٹی روایتوں کے ذریعے قبرِ نبویؐ کی زیارت پر زور دے کر دوسری مخصوص قبروں پر میلوں اور جمگھٹوں کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ زیارت قبرِ نبویؐ کے سلسلہ کی دوسری روایات یہ ہیں، اور یہ سب بھی ناقابلِ اعتبار ہیں۔

(۲) دوسری روایت یوں ہے:۔

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔ (رواہ البیہقی والدارمی۔ وغیرہ)

ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(رواہ بیہقی والدارمی وغیرہ)

امام بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں پوری سند یوں بیان کی ہے۔

اخبرنا ابو سعید المالینی انبانا ابو احمد ابن عدی الحافظ حدثنا محمد ابن موسی الحلوانی حدثنا محمد بن اسمٰعیل بن سمرۃ حدثنا موسیٰ بن ھلال عن عبد اللہ العمری عن نافع ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔

پھر امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ اس میں موسیٰ بن ہلال العبدی ہے جو مجہول ہے۔

اور عبداللہ العمری نافع سے نقل میں سوءِ حفظ اور غفلت کا بہت مرتکب ہوتا ہے اور نافع کے ثقہ شاگردوں مثلاً ایوب، یحییٰ ابن سعید الانصاری۔ امام مالکؒ وغیرہ نے اِس روایت کو نقل نہیں کیا ہے۔ یہی رائے امام عقیلی کی کتاب الضعفا میں اس روایت کے بارے میں ہے۔ اور یہی بات امام الرازی نے کتاب الجرح والتعدیل میں لکھی ہے اور صحاحِ ستہ کے اماموں میں سے کسی نے بھی اس روایت کو قابلِ قبول نہیں سمجھا۔

(میزان الاعتدال جلد ۳ ص۲۲ و جلد ۲ ص۵۸)

(۳) تیسری روایت یوں ہے:۔

عن ابی الربیع الزھرانی عن حفص عن لیث ابن ابی سلیم عن مجاھد عن ابن عمرؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من حج فزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی۔

(رواہ الدارقطنی)

اسی روایت کے دوسرے الفاظ یوں ہیں:۔

من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی و صحبتی۔

ترجمہ:۔ جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی میری موت کے بعد اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اُس نے زندگی میں میری زیارت کی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ گویا اس نے میری زندگی اور میری صحبت میں میری زیارت کی (الدارقطنی) یہ روایت بھی ساقط الاسناد، منکر المتن ہے۔ ائمہ حدیث نے اس کو من الاخبار المکذوبۃ والموضوعۃ (یعنی گھڑی ہوئی اور جھوٹی روایتوں میں سے ایک قرار دیا ہے) اس کے اندر حفص بن سلیمان ابی داؤد ہے جس کے متعلق ائمہ حدیث کی آراء یہ ہیں: (امام احمد) یہ متروک الحدیث ہے۔ (امام بخاری) محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے۔ (امام مسلم) کہتے ہیں کہ متروک ہے۔ (امام نسائی) کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور اس کی حدیثیں نہیں لکھی جاتیں۔ (عبدالرحمٰن بن یوسف) کا قول ہے کہ وہ کذاب ہے وضّاع، یعنی جھوٹی روایتیں بنانے والا الکذاب ہے (میزان الاعتدال جلد ۱ ص۲۶۱)

(۴) اِس سلسلہ کی چوتھی روایت یوں ہے:۔

حدثنا ابو عبداللہ الابلی وعبدالباقی قالا حدثنا محمد بن محمد بن النعمان ابن شبل حدثنا جدی حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔ (رواہ الدارقطنی)

وقال تفرّد بہ ھٰذا الشیخ (محمّد بن محمّد النعمان ابن شبل وھُوَ مُنکر۔

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حج کیا اور پھر میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ امام الدارقطنی نے اس کو روایت کرنے کے بعد کہا کہ اس میں ایک شیخ محمد بن محمد بن النعمان ابن شبل کا تفرد ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔ امام ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔ (میزان الاعتدال۔ جلد ۳۔ ص۱۲۹)

(۵) پانچویں روایت یہ ہے:۔

حدثنا سوار بن میمون ابو الجراح العبدی قال حدثنی رجل من آل عمر عن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من زار قبری او قال: من زارنی کنت لہ شفیعًا او شہیدًا۔

(رواہ ابو داؤد الطیالسی فی مسندہ)

ترجمہ:۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی یا یہ کہا (راوی نے اپنا شک بیان کیا) کہ جس نے میری زیارت کی میں اس کا شفیع یا شہید ہوں گا۔ ابو داؤد الطیالسی نے اس کو اپنی مسند میں بیان کیا۔ اس روایت میں بھی اوپر والی دوسری روایتوں کی طرح متعدد نقائص ہیں اس کی سند میں اضطراب ہے، انقطاع ہے، جہالت اور ابہام ہے۔ امام بیہقی نے اس کو اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں بیان کرنے کے بعد فیصلہ فرمایا کہ "ہذا اسناد مجہول"۔ اور راوی سوار بن میمون مجہول ہے۔ اسی طرح سے دوسرا مجہول راوی ہے جس کا نام لیا گیا ہے نہ ولدیت یعنی رجل من آل عمر (اولاد عمرؓ بن خطاب کا ایک مرد)

(۶) چھٹی روایت یہ ہے:۔

قال احمد بن ابراھیم بن ملحان حدثنا العلاء بن عمرو حدثنا محمد بن مروان عن الاعمش عن ابی ھریرہؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیًا من قبری ابلغتہ

(رواہ عقیلی وقال لا اصل لہ)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو میری قبر کے قریب درود پڑھے تو میں سنتا ہوں اور جو قبر سے دور مجھ پر درود پڑھے وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ امام عقیلی نے اس کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بے اصل ہے۔ اس روایت میں محمد بن مروان کا تفرد ہے اور محمد ابن مروان متروک الحدیث ہے۔ جریر کا کہنا ہے کہ محمد ابن مروان "کذاب" ہے۔ عقیلی کا قول ہے کہ ابن نمیر کہتے تھے کہ محمد بن مروان الکلبی "کذاب" ہے۔ امام نسائی اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔ اور صالح کہتے ہیں کہ وہ روایات گھڑا کرتا ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو "موضوع" روایات بیان کرتے ہیں۔ اسی مضمون کی ایک دوسری روایت ابوہریرہؓ کے بجائے عبداللہ بن عمرؓ سے ہے اور اس میں وہب ابن وہب ابو البختری القاضی ہے اور سارے اہل علم اس کو "کذاب" اور "وضاع" کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۳۲ و ص ۲۷۸)

(۷) ساتویں روایت یہ ہے:۔

اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ حدثنا ابو عبد اللہ الصفار املاء حدثنا محمد بن موسیٰ البصری حدثنا عبد الملک بن قریب حدثنا محمد بن مروان عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ما من عبد یسلم علی عند قبری

الا وکل اللہ بہا ملکاً یبلغنی وکفی أمر آخرته ودنیاہ وکنت لہ شہیدًا او شفیعًا یوم القیمۃ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کہتا ہے تو ایک فرشتہ جس کو اللہ تعالیٰ نے وہاں مامور کر دیا ہے اس سلام کو مجھ تک پہنچا دیتا ہے، اور اس بندے کے آخرت اور دنیا کے معاملات کی کفایت کی جاتی ہے اور قیامت کے دن میں اس بندے کا شہید یا شفیع ہوں گا۔ (بیہقی)

یہ روایت معنی کے لحاظ سے اوپر والی روایت کے بالکل خلاف ہے۔ اوپر والی روایت قبر کے قریب سماع کا اظہار کرتی تھی، اور یہ "عدم سماع" کا۔ سند کے لحاظ سے اس میں محمد بن موسیٰ البصری کو "کذاب" اور "وضاع" (دروغ گو، اور روایتیں اپنی طرف سے بنانے والا) کہا گیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ محمد بن موسیٰ حدیث بناتا تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ اپنی طرف سے روایتیں بناتا ہے۔ اور اس نے ایک ہزار سے زیادہ حدیثیں گھڑی ہیں۔

میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۴۱

یا ساریۃ الجبل الجبل جھوٹی بات ہے

زیارتِ قبر نبی ؐ کے سلسلہ کی ان بناوٹی روایتوں کے بعد مناسب ہے کہ اس جھوٹی روایت کی بھی قلعی کھول دی جائے جس نے ایمان کو برباد کر ڈالا ہے اور اُمت کے خطباء اور واعظین لہک لہک کر منبر و محراب سے اس کا چرچا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیکھو "ولی" جب اس زندگی کے جامہ میں محصور ہوتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے ہی جو اس کو آزاد کرنے اور اس کی طاقتوں کو بڑھانے والی ہوتی ہے سینکڑوں میل دیکھتا ہے اور پکار کر ہدایت فرماتا ہے۔ تم نادانو کہتے ہو کہ "ولی" غائبانہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مجبور محض ہے، اُسے کچھ خبر نہیں ہوتی۔ آخر عمرؓ نے مسجدِ نبوی میں جمعہ کا خطبہ دیتے وقت ایران میں ساریہ کے لشکر کو کیسے دیکھ لیا، اور کیسے اُن کی رہنمائی فرمائی۔ افسوس! اس اُمت پر جس کے اندر ایسی بناوٹی روایت ایجاد کر لی جائے جو "ولی" کی کرامت کا نہیں بلکہ اس کی خدائی کا اثبات کرے، اور اس کو صفاتِ علم و تصرف میں اللہ کا شریک ٹھیرائے۔ پورے سرمایۂ روایات میں اس سے زیادہ کسی دوسری روایت نے دنیا کے عقیدہ کو خراب نہیں کیا۔ روایت یوں ہے:۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا سالار

ساریہ کو بنایا۔ ایک دن جمعہ کے خطبہ میں انہوں نے یکایک یہ پکارنا شروع کر دیا۔ "اے ساریہ پہاڑ۔ پہاڑ"۔ اس طرح تین مرتبہ کہا۔ پھر اس لشکر کا پیغامبر مدینہ آیا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے لشکر کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اے امیر المومنین ہم لوگ شکست کھا گئے اور اس شکست کی حالت میں تھے کہ ہم نے یکایک ایک آواز سنی جس نے تین بار اے ساریہ پہاڑ۔ پہاڑ (کی طرف رُخ کرو) کی تکرار کی۔ پس ہم نے اپنی پیٹھ پہاڑ سے لگا دی اور اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمن کو ہزیمت دیدی۔ لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ ہی تو تھے جو اس طرح چیخے تھے۔ (رواہ البیہقی۔ مشکوٰۃ۔ صـ۵۴۶)

اس روایت کی علتیں

(۱) صحاح ستہ والوں ہی نے نہیں بلکہ چار سو برس تک کسی حدیث کے جمع کرنے والے نے اس روایت کا تذکرہ نہیں کیا اس سے پہلے صرف واقدی کذاب نے اس کو اپنی جھوٹی تاریخ (مغازی) میں لکھا تھا۔ پانچویں صدی ہجری میں بیہقی نے اپنی کتاب "دلائل النبوت" میں اس کا ذکر کیا اور پھر ابن مردویہ نے۔ یہ روایت دو سندوں سے آئی ہے۔

(۱) عن ابن وهب عن يحيیٰ بن ايوب عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمرؓ.....

ابن عجلان راوی نافع سے روایت کرتا ہے اور اس محمد بن عجلان کے بارے میں امام عقیلی کہتے کہ یہ نافع کی روایتوں میں اضطراب کا شکار رہتا ہے (کبھی ایک بات کہتا ہے کبھی دوسری اور یہاں نافع ہی سے روایت کر رہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ صـ۳۴۲)۔ امام بخاری نے اس کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے (خلاصہ تذہیب الکمال للخزرجی صـ۲۹) یحییٰ القطان کہتے ہیں کہ نافع سے روایت میں یہ مضطرب ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ صـ۱۰۲) امام مالک کہتے ہیں کہ ابن عجلان حدیث کے معاملات کا جاننے والا عالم نہیں تھا۔ (میزان جلد ۳ صـ۱۰۲)

ابن عجلان کا شاگرد یحییٰ بن ایوب غافقی المصری بھی جو اس روایت کا ایک فرد ہے سخت ضعیف راوی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی تو جا سکتی ہے مگر اس سے حجت لانا روا نہیں۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہے۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ الدار قطنی کہتے ہیں کہ اس کی بعض روایتوں میں اضطراب ہے۔ اور وہ منکر روایت بیان کرتا ہے۔ اسماعیلی کہتے ہیں کہ اس کی روایات حجت نہیں۔ امام احمد کا قول ہے کہ وہ بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ جب وہ اپنے حافظہ سے روایت بیان کرتا ہے تو غلط روایت

کرتا ہے۔ عقیلی نے اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۷ و میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۸۲)

اس سند پر نگاہ ڈالئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا اس روایت کو انسانوں کے ایمانوں پر تاخت و تاراج کے لئے کھلا چھوڑا جا سکتا ہے؟

(۲) دوسری سند یوں ہے، عن ابی بکر احمد بن موسی بن مردویہ قال حدثنا عبداللہ بن اسحٰق بن ابراھیم اخبرنا جعفر الصائغ حدثنا حسین بن محمد المروذی اخبرنا فرات بن السائب عن میمون بن مھران عن ابن عمر عن ابیہ ..... الخ

اس روایت میں فرات بن السائب راوی، جو میمون بن مہران کا شاگرد ہے، جھوٹا اور روایت گھڑنے والا تھا۔ امام بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث تھا۔ محدثین نے اسے چھوڑ دیا (التاریخ الکبیر جلد ۴ صفحہ ۱۳۰)۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اس کی کچھ حیثیت نہیں۔ الدارقطنی متروک کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ محمد بن زیاد بن الطحان کی طرح ہے اور اس پر بھی میمون بن مہران سے روایت کرنے میں وہی تہمتیں ہیں جو محمد بن زیاد پر ہیں اور اس محمد بن زیاد کو امام احمد کانا کذاب کہتے ہیں۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ اس سے حاصل کیا تھا اُس کو میں نے پھینک دیا۔ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتا تھا۔ الدارقطنی کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا۔ (لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۴۳۰-۴۳۱ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ و جلد ۳ صفحہ ۴۰)

اس روایت کی ان سندوں کو دیکھئے اور ایمان کی مظلومی پر آنسو بہائیے۔ یہ بات بھی نہ بھولئے گا کہ یہ مسجد نبوی کے جمعہ کے خطبہ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جیسے ابن مردویہ نے صراحت کی ہے خلیفہ دوم کے زمانے کے خطبہ جمعہ کی حاضری کا خیال کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ اس روایت کو اس بھرے مجمع میں سے صرف عبداللہ بن عمرؓ روایت کرنے والے ملے اور کسی دوسرے صحابی یا تابعی نے اس کو بالکل یاد نہ رکھا۔ کیا یہ بھی ایک ثبوت نہیں کہ یہ روایت گھڑی ہوئی بناوٹی ہے اور عمرؓ سے کرامت کی نہیں الوہیت کی صفات علم و تصرف کو منسوب کرتی ہے اللہ گواہ ہے کہ بیہقی نے دلائل النبوت" نامی کتاب لکھ کر اُمت پر سخت ستم ڈھایا ہے۔ بے حساب جھوٹی روایتوں کو انہوں نے تنقید کے بغیر چھوڑ دیا ہے اور یہ روایتیں شرک کا اصلی سبب بنی ہیں اور آج اس کا خمیازہ دُنیا والوں کو اللہ کے عذاب کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ بیہقی کے بعد مشکوٰۃ کے مصنف نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اپنی کتاب میں گھڑی ہوئی جھوٹی روایتوں پر روایتیں لاتے چلے گئے ہیں اور کبھی یہ زحمت گوارہ نہ کی کہ ان کی حیثیت سے امت کو باخبر کر دیتے۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ تصوف کی ایجاد کے بعد سچ و جھوٹ کی تمیز اُٹھ گئی اور نام نہاد علماء اور زہاد حدیث کے میدان میں بھی اُتر آئے اور امام مسلم کے صحیح مسلم کے مقدمہ کے بیان کے بموجب جھوٹ ان کی زبانوں پر بے ساختہ داخل ہو گیا۔

انہوں نے اس کا ادراک کئے بغیر اپنی زبانیں آزاد چھوڑ دیں اور جھوٹی روایتوں کی ایک دنیا آباد ہو گئی۔
کیا خود جن لوگوں نے یہ کھیتی بوئی تھی وہ ہی اس کو اُجاڑ گئے؟

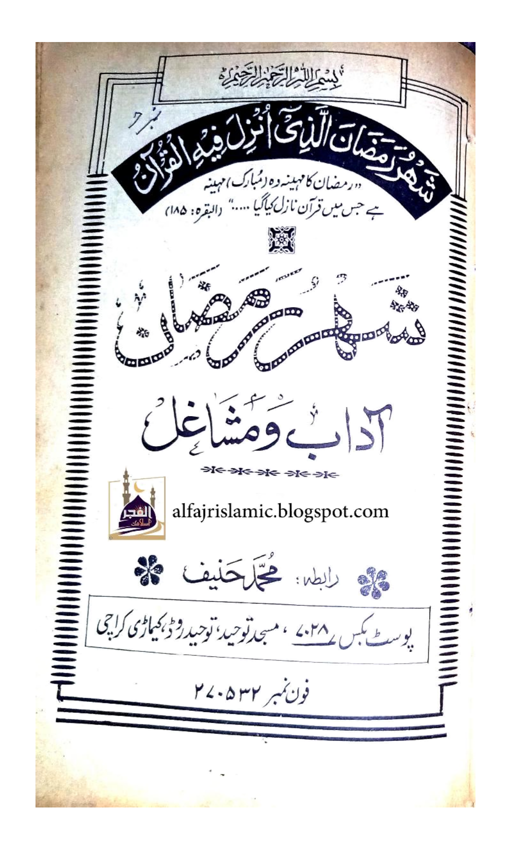
قال محمد بن یحیی بن سعید القطان عن ابیہ قال لم نر الصالحین فی شیء اکذب منھم فی الحدیث
قال ابن ابی عتاب فلقیت انا محمد بن یحیی بن سعید القطان فسألتہ عنہ فقال عن ابیہ لم تر
اھل الخیر فی شیء اکذب منھم فی الحدیث قال مسلم یقول یجری الکذب علی لسانھم
ولا یتعمدون الکذب۔ (مقدمہ مسلم)

ترجمہ:۔ محمد بن یحیی بن سعید القطان کہتے ہیں کہ میرے باپ یحیی نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے صالحین (صوفیا کو اُس زمانے میں صالحین اور اہل خیر کے نام سے پکارا جاتا تھا) سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے محمد بن یحیی کی ملاقات ہوئی اور میں نے اس بات کی جو مجھ تک پہنچی تھی ان سے تصدیق چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میرے والد فرماتے تھے کہ اہل خیر (صوفیاء) سے زیادہ تو کسی قسم کو بھی حدیث کے معاملہ میں جھوٹا نہ دیکھے گا۔ امام مسلم کہتے ہیں کہ... جھوٹ اُنکی زبانوں پر بےساختہ جاری ہو جاتا ہے چاہے جھوٹ بولنے کا ان کا ارادہ بھی نہ ہو (مقدمہ صحیح مسلم ص۱۳ مصری)
معلوم ہوا کہ یوں بیچارگی ہے امت پر اور اس طرح وہ اس عظیم جرم "شرک" میں مبتلا کردی گئی ہے جس کی اللہ کے یہاں معافی نہیں عقیدہ کی خرابی کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہ کریگا۔ عمل کی ہر خرابی معاف ہو جائے گی اگر اللہ چاہے گا۔ قرآن کریم کبھی فرماتا ہے کہ اللہ کے یہاں صرف "شرک" ہی کی معافی نہیں ہے اور کبھی یوں کہ جس نے شرک کیا اُس پر جنت حرام ہے اس کا ٹھکانا آگ ہے اور مشرک کو کوئی حمایتی نہ مل سکے گا۔ صحیح احادیث میں بھی اسی ظلم عظیم کا تذکرہ ہے۔ کبھی نبی یوں ارشاد فرماتے ہیں.... جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں کیا (جنت اُس پر واجب ہو گئی) وہ جنت میں داخل ہو کر رہے گا اور جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کیا ہے تو اس پر جہنم واجب ہو گئی اور وہ آگ میں داخل ہو کر رہے گا (مسلم) اور کبھی یوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا کوئی بندہ اگر مجھ سے اس حال میں ملے کہ اس نے اعمال کی خرابیوں سے زمین بھر دی ہو لیکن میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو یعنی عقیدہ خراب نہ ہو تو میں زمین ہی کے برابر معافی کے ساتھ اس سے ملاقات کرونگا۔ (مسلم) معلوم ہوا کہ صحیح عقیدہ کے بغیر عمل کی کوئی قیمت نہیں اور عقیدہ صحیح ہو تو گنہگار سے گنہگار بندہ آخر کار جنت میں پہنچ کے رہے گا۔
ان نام نہاد زہاد اور صوفیوں کی شان میں امام مسلم اس قدر رطب اللسان ہیں کہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں قتادہؒ سے ایک اور روایت لائے ہیں کہ ان کی محفل سے ابو داؤد الاعمیٰ اُٹھ کر گیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اٹھارہ بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ قتادہ نے کہا یہ غلط کہتا ہے یہ تو پہلے بھیک مانگا کرتا تھا اس سے زیادہ عمر والے سعید بن مسیب اور حسن بصری ہیں کسی نے مجھ سے ایک بدری صحابی سعد بن مالک (ابی وقاص) سے حدیث سُنی ہے کسی اور سے نہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ امام مسلم پر ہزار ہزار رحمتیں ہیں کہ انہوں نے واضح فرما دیا کہ تصوف کے سارے سلسلے جو حسن بصری عن علی یا حسن بصری عن ابی بکر بیان کئے جاتے ہیں خالص جھوٹ اور صریح کذب ہیں حسن بصری کا سعد بن ابی وقاص (بدری) کے علاوہ کسی دوسرے بدری صحابی سے سماع نہیں ہے واضح ہو گیا کہ ان کا نہ تو علیؓ سے سماع ہے اور نہ ابوبکرؓ سے اصلاح اس دین طریقت کی بنیاد دیری امام مسلم نے تیشہ چلا دیا اور بتا دیا کہ تصوف کے وہ سارے سلسلے جو حسن بصری عن علی یا حسن بصری عن ابی بکر بیان کرتے ہیں بالکل جھوٹے ہیں حسن بصری نے علیؓ اور ابوبکرؓ سے کچھ نہیں سُنا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

ہم اپنی کتابوں پر نہ تو کوئی قیمت وصول کرتے ہیں اور نہ کسی پر ان کی طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں پابندی لگاتے ہیں۔

خط لکھ کر ہم سے ہماری دوسری کتابیں بھی طلب فرمائیے۔


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
مشاغل و آداب صوم رمضان
ایکس کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
ایم بی بی ایس (لکھنؤ)
فاضل علوم دینیہ (وفاق المدارس ملتان)
alfajrislamic.blogspot.com
شائع کردہ:
محمد حنیف پوسٹ بکس ۷۰۲۸، مسجد توحید روڈ کیماڑی کراچی
ٹیلی فون نمبر: ۷۲۷۱۸۹۷، ۷۲۰۱۸۹


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن
"رمضان کا مہینہ وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا....." (البقرۃ: ۱۸۵)
شہر رمضان
آداب و مشاغل
alfajrislamic.blogspot.com
رابطہ: محمد حنیف
پوسٹ بکس ۷۰۲۸، مسجد توحید، توحید روڈ، کیماڑی کراچی
فون نمبر ۲۷۰۵۳۲

